سدرشن کا میلہ

ایک عجیب دلچسپ مضمون

مصنف

آپکا ایک سچا خیر طلب خادم

حصۂ اوّل

نولکشور پریس لکھنؤ مین چھپا

سنہ ۱۹۰۳ع

اول بار ۱۰۰۰ جلد

قیمت فی جلد [illegible]

فہرست مضامین

اطلاع - شایقین اِس پتہ سے [illegible] طلب فرمائیں - بابو انبکا چرن چکرورتی ہندو کالج بنارس -

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۱۸	گروہ	سرگروہ
۱۹	۱۲	مین	مجھسے
۴۲	۱۴	گیون	کیون
۴۷	۸	ہمچون آستین	جسم ہمچون آستین
۵۲	۱۴	رہا ہے	رہی ہے
"	۱۵	رنگ	سنگ
۵۹	۲	بنجاتی ہے	بنجاتے ہین
"	۱۲	مضاد	متضاد
۶۶	۵	جاتی	کیجاتی
۶۷	۱۲	ودیہیچ	ودھیح
۸۶	۱۳	مرد	فرد
۱۰۳	۱۲	کے	گے
۱۱۱	۱۵	زوست	زبردست
۱۳۱	۲	ذہ رات	ذرات
۱۳۳	۷	یہ	پہ
۱۳۴	۱۰	ور	اور
۱۴۱	۸	اس سے	اُس سے
۱۵۵	۱۴	پراگ	وراگ

سدرشن کا میلہ

فصل اول

انسان کی اصل سچدانند ہے

موسم گرما کا عین شباب تھا۔ لو کی شدت اور آفتاب کی حدت مارے ڈالتی تھی۔
انھین ایام مین کچھ رنج والم ایسے لاحق ہوے کہ دل پر قابو نہ رہا ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیون

اِدھر تو اندرونی کاہشون کا ہجوم اُدھر بیرونی اذیتون کی مارا مار۔ نہ دن کو چین تھا
نہ رات کو قرار۔ سخت حیران تھا کہ کیا کرون اور کہان جاؤن! یک بیک دل مین
خیال آیا کہ چلو ہردوار کی سیر کرین۔ شاید سیر و سفر ہی سے کچھ تسکین خاطر ہو۔ چنانچہ
شب کی ریل مین بیٹھ روانہ ہو گیا اور صبح کے آٹھ بجتے بجتے ہردوار جا اترا۔
اول اشنان کرکے کچھ کھانا کھایا اور کھاتے ہی لیٹ رہا کہ ذرا نیند آجاے تو
دردِ سر جو رات بھر کی بیخوابی سے ہو گیا ہے رفع ہو جاے۔ مگر نیند کیا

خاک آتی وہی لو - وہی تپش اُس پر طرّہ یہ کہ مکان ملا تو پتھر کا جسکے در و دیوار سے آگ
برستی تھی کچھ سر کا درد بڑھا کچھ پیاس کی شدت ہوئی آگے سے بھی زیادہ بے چین ہا
خدا خدا کر کے دن کاٹا - شام ہونے آئی تو قیام گاہ سے نکل گنگا جی کے کنارے جا بیٹھا -
وہان بھی جی نہ لگا تو ناچار بستی کو چھوڑ جنگل کی راہ لی ہ

شہر مین لگتا نہین صحرا سے گھبراتا ہے دل		اب کہان لیجاکے بیٹھین ایسے دیوانہ کو ہم

کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ دریا کے کنارہ ایک کنج تنہائی نظر آیا نہایت پر فضا
خوش منظر - ریتی کا قدرتی فرش بچھا ہوا ہے سرد و صاف پانی موجین مارتا شور مچاتا
بے تکان چلا جا رہا ہے - بشاش مچھلیان تیرتی اچھلتی نظر آتی ہین - سامنے چھوٹے چھوٹے
خوشنما پہاڑ ہین کہ جو سبزی سے بھرے پڑے ہین - چودھوین کے چاند نے جو دریا کے
کنارے سے کھیت کیا ہے تو لہرون کا نقرئی لہریا بنا دیا ہے - ہوا مین خنکی آچلی ہے -
ریتی بھی ٹھنڈی ہو گئی ہے - یہ سمان دیکھکر قدرے تسکین ہوئی - کپڑے اتار وہین اشنان
کیا اور ریتی مین بیٹھ گنگا جی کے نظارہ سے جی بہلانے لگا - بارے جی تو بہل چلا تھا
مگر تفکرات نے پھر آدبایا اور وہی کلفتین شروع ہو گئین جن سے جان بچا کر بھاگا تھا
بار خدایا اس بلاے بے درمان نے تو یہان بھی پیچھا نچھوڑا اب کہان پناہ لون !
خدایا تو نے یہ ٹھنڈی لہرین - یہ بھینی بھینی چاندنی - یہ نرم نرم ہوا بہت اچھا
بدل تپش آفتاب کا بنا دیا ہے - مگر اس دل کی پریشانی اور سوز نہانی کا بھی کچھ علاج
ہے ؟ خدایا ظاہری کلفتون کے مٹانے کو تو یہ پر فضا مقام بس ہے - مگر کوئی ایسا
گوشۂ عافیت بھی ہے جہان اندرونی تشویشون سے نجات پا سکون ؟ کاش کوئی ایسا
محفوظ مقام ہوتا کہ افکار و آلام کا لشکر اُسکے گرد پھٹکنے نہ پاتا - دائمی یکسوئی اور شانتی مین

کوئی خلل انداز نہوتا! مین اسی سوچ مین تھا کہ غنودگی سی طاری ہوئی اور آنکھ جھپک گئی
دیکھتا کیا ہون کہ ایک بیابان وسیع ہے جسمین لوگون کا اژدحام کثیر چلا جا رہا ہے
مین بھی اُس بھیڑ بھاڑ مین جا ملا ہون اور تفتیش حال کے لیئے اِدھر اُدھر پھرتا ہون معلوم
ہوا کہ یہین تو سب مسافر مگر اپنے اپنے گروہ اپنے اپنے غول جدا بنا رکھے ہین - اور ہر گروہ نے
ایک رستہ اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے - ہان کوئی اکا دُکا برلا مسافر ایسا بھی پایا جو سب سے
الگ تن تنہا سفر کر رہا ہے - اس بیابان لق و دق مین جا بجا خار دار جھاڑیان ہین نشیب و
فراز ہین - کہین گھرے گھرے غار ہین - کہین ریگستان ہین جنمین کھجورون کے جھنڈ ہین
شارع عام کا پتا نہین - جگہ جگہ پگڈنڈیان نظر آتی ہین - انہین رستون سے قافلے کے قافلے
گزر رہے ہین - ٹوٹے پھوٹے پتھرون اور کہنہ فرسودہ نشانیون سے یہ بھی پتا چلا کہ
کسی اگلے زمانہ مین یہان پختہ سنگین سڑک بنی ہوئی تھی - مگر جاتریون کے فرقے فرقے
جدا - ٹولیان ٹولیان الگ ہو گئین - پھر ہر ایک ٹولی کا رہنما الگ - اِن رہنماؤن نے
اپنے اپنے پیروؤن کو صلاح دی کہ آؤ تم کو سیدھی راہ نکال لے چلین جبھی سے یہ پگڈنڈیون
کی مختلف راہین بنگئین اور وہ پکّی سڑک رفتہ رفتہ متروک ہو کر اس حالت کو پہونچ گئی -
البتہ بعضے اہل ہمت ایسے بھی دیکھے کہ محض ابناے جنس کی خیر خواہی اور مسافرون
کی امن آسایش کے لیئے اُس قدیم شاہراہ کی مرمت مین مشغول ہین - نہ اجرت کے
خواہان نہ صلہ کے طالب - مین نے ظاہری کیفیت تو سب دیکھی بھالی مگر عقل دنگ
تھی کہ اتنا بڑا مجمع کہان جاتا ہے اور اس سفر کی مصیبت مین کیون مبتلا ہے؟ اسی
حیرت مین تھا کہ حسن اتفاق سے ایک سنیاسی نظر پڑا - جسم لاغر - قد لنبا - رنگ گورا
سر برہنہ گھوٹم گھوٹ - خندہ پیشانی - گیروا لباس - سن و سال کوئی تیس کے لگ بھگ

دائین ہاتھ مین ناریل کا کمنڈل لئے مجمع سے الگ تھلگ کسی تصور مین قدم قدم چلا جاتا ہے۔ اُسکا بشاش نورانی چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ تسکین ابدی اور سرور دائمی کا مسکن ہے تو یہی کا دل ہے۔ مین بے اختیار اُسکے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دور چلکر ایک ندی کے کنارے کھجورون کے سایہ مین وہ بیٹھ گیا تو مین نے عرض کیا مہاراج! حکم ہو تو مین بھی بیٹھ جاؤن اور جو خدمت فرمایئے سر آنکھون سے بجا لاؤن۔ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مسکرا کر بولے بابا! کیا یہ ہماری جاگیر ہے جو تم نے اجازت کی ضرورت سمجھی۔ یہ تو قدرت کا کارخانہ ہے جسمین سب کا حق برابر اور سب کا دعوےٰ مساوی۔ ہان فرق مراتب کے لحاظ سے کوئی حاکم ہے کوئی محکوم۔ کوئی خادم ہے کوئی مخدوم۔ سو میرے تمھارے درمیان یہ فرق بھی نہین۔ انسانی حیثیت سے دونون یکسان تم بھی آدمی مین بھی آدمی۔ مین نے کہا مہاراج یہ تو سچ ہے مگر آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی پتھر۔ آپ بزرگ ہین واجب التعظیم ہین اس لیئے ہم جیسون کو آپ کی خدمت و اطاعت ہی لازم ہے۔ اور بیٹھنے کی اجازت مین نے اسواسطے چاہی کہ مبادا آپ کے تخلیہ مین میری موجودگی کچھ حارج ہو۔ فرمایا اہا تم کو اس گیروا لباس نے دھوکے مین ڈالا جو مجکو واجب التعظیم سمجھے اور میرے تخلیہ کا لحاظ کیا۔ ارے بابا! تخلیہ صرف مقام تنہائی کا نام نہین۔ وہ تو دل کی ایک حالت ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ ممکن ہے۔ خلوت ہو یا جلوت۔ تنہائی ہو یا مجمع اُسکے لیئے کوئی مزاحم نہین

اگر دل گرفتار ہے مخصوصون مین +		تو خلوت بھی بازار سے کم نہین ہے
مگر جسکے دل کو ہے یک سوئی حاصل		تو وہ انجمن مین بھی خلوت نشین ہے

مین نے جو باباجی کو ایسا خلیق اور حق پسند پایا تو اور بھی بات چیت کرنے کی جرأت ہوئی۔ نہایت ادب سے عرض کیا۔ مہاراج! تکلیف نہو تو مجکو اتنی بات بتا دیجئے

کہ یہ گروہا گروہ خلقت جو سرگرم سفر ہے کہاں سے آئی اور کدھر جاتی ہے؟ بولے تمھارے اس سوال پر مجھے ہنسی آتی ہے کیونکہ تم بھی انہین مسافرون مین سے ایک مسافر ہو۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہاں سے آئے اور کہاں کو جارہے ہو؟ مین نے کہا کیا عرض کرون مجکو اپنی جہالت پر سخت افسوس ہے۔ اسی لئیے آپ سے سوال کیا اگر مین جانتا تو پوچھتا ہی کیون ؎

پر یہ خبر نہین ہے مین کون ہون کہان ہون	ظاہر مین گرچہ بیٹھا لوگون کے درمیان ہون

فرمایا کہ خیر تم نہین جانتے تو سنو یہ آنا جانا اور سفر و حضر تو صرف کہنے کی بات ہے، ورنہ اصل مین یہ "سدرشن کا میلہ" ہے۔ مین نے کہا مہاراج مین تو اب بھی نہ سمجھا۔ سدرشن کی شرح کیجئے تو کچھ بھید کھلے۔ کہنے لگے اسکی شرح غور طلب مضمون ہے ذرا جی لگا کر سنو۔ دیکھو انسان کے دل مین طرح طرح کی خواہشین پیدا ہوتی ہین۔ اگر ان خواہشون کی قسمین چھانٹو تو کسی خواہش کو ان تین قسمون سے باہر نہ پاؤ گے۔

خواہش بقا۔ خواہش علم۔ خواہش سرور

(۱) خواہش بقا

ہر انسان کی یہ دلی خواہش رہتی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کو زندہ رہے۔ موت کا نام آیا اور اُس کا دل گھبرایا۔ زوال ہستی کا خیال بندھا اور اُسکے اوسان خطا ہوئے۔ وہ تو یون چاہتا ہے۔ کوئی ایسا خضر ملے جو آب حیات کا گھونٹ پلا کر جنم کو موت کا کھٹکا مٹا دے یا کہین سے ایسی اکسیر اعظم ہاتھ آجاے کہ بیماری و ضعف پیری سے عمر بھر کو چھٹکارا ہو۔ وہ صرف دوا دارو ہی پر قناعت نہین کرتا بلکہ خیر خیرات۔ دان پُن۔

صدقہ قربانی - نذر بھینٹ - گرنت پڑھنت - تعویذ گنڈے - جنتر منتر - دعائین وظیفے غرض ہزار ہزار جتن کرتا ہے کہ کسی طرح موت اور اسباب موت سے اپنے آپکو بچائے جب زندگی جاوید کی تدبیر کسی عنوان سے بن نہین پڑتی تو ناچار درازی عمر ہی کی فکر مین کرتا ہے - اور آخر دم تک موت کے مقابلہ پر کمربستہ رہتا ہے بااین ہمہ اُسکو یہ بھی یقین کامل ہے کہ یہ جسم فانی ہے اور موت ایک نہ ایک دن آنی ہے کوچ کی گھڑی سر پر کھڑی ہے نہ دعا سے ٹلے نہ دوا سے رُکے - جب ہر طرح سے ہار مانی اور موت پر کچھ بس نہ چلا تو خواہش بقا دوسرا رنگ بدل کر آتی اور انسان کو یہ سمجھاتی ہے کہ خیر دنیا مین ہم نرہین تو ہمارا قائم مقام ہی رہے ؎

گرچہ ہم صفحۂ ہستی پہ ہین اک حرف غلط	لیکن اُٹھین بھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھین

وہ اپنے دوام و قیام سے مایوس ہوکر اولاد کی بقا کو اپنی بقا اُسکی حیات کو اپنی حیات تصور کرتا ہے اور یہ تصور کچھ بیجا بھی نہین - آخر اولاد بھی تو اُسی کا قطرۂ خون اور اُسی کا جزو بدن ہے - اسی لیئے جو بات اپنے واسطے چاہتا وہ اُسکے لیئے چاہتا ہے - اپنا مال متاع گھر بار عمر بھر کی کمائی کس خوشی سے اُسکے لیئے چھوڑتا ہے گویا خود ہی قابض ہے - یہان تک کہ جن کے صلبی اولاد نہین ہوتی وہ عزیز و اقارب مین سے یگانون بیگانون مین سے کوئی بچہ گود لیکر پالتے پرورش کرتے اور اپنے ورثہ کا وارث بنا جاتے ہین کہ مرے پیچھے کوئی نام لیوا باقی رہے اور دنیا مین انکا جانشین کہلائے حقیقی یا فرضی اولاد تو ایک طرف انسان اپنی بقا پر ایسا فریفتہ ہے کہ ہر چیز مین ہر کام مین ہر بات مین اُسکو تلاش کرتا اور تنکے کا سہارا بھی غنیمت جانتا ہے - کنوان - تالاب - پل - باغ - مندر مسجد - دھرم شالہ - خانقاہ - مہمانسرائے - مقبرہ - لاٹ - منارہ - تصنیف

وتالیف - ایجاد و اختراع تازہ تحقیقات شان و نمود کا کام - ان سب یادگارون کی بنا عموماً
اسی خواہش پر ہے کہ دنیا ہم کو بھول نہ جاے - ہم نہون تو ہمارا نام ہی رہے - چنانچہ
ایک شاعر کہتا ہے ؎

رستم رہا زمین پہ نے سام رہ گیا		مردون کا آسمان کے تلے نام رہ گیا

الغرض ہر شخص ہمیشہ اپنی بقا کا طالب ہے - مرنے سے ڈرتا اور جینے پہ مرتا ہے -
اپنی حیات کو نہ ثبات پاکر اپنی یادگارون ہی کا نقشہ جماتا ہے مگر تا بکے ؎

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا		مٹے نامیون کے نشان کیسے کیسے

(۲) خواہش علم

یہ بھی ایک قدرتی خواہش ہے - کوئی فرد بشر اسکے چسکے سے خالی نہین - بچہ
بڈھا - جاہل - عالم - گنوار - حکیم - کسی رتبہ یا کسی پیشہ کا آدمی ہو خواہش علم سب مین پائی
جاتی ہے - بچہ باپ سے پوچھتا ہے - باباجان یہ آسمان کیا ہے؟ زمین کیونکر بنی؟
یہ سورج کیون چکر کاٹتا ہے؟ یہ چاند کیون گھٹتا بڑھتا ہے؟ یہ بادل کہان سے آئے؟
ہوا کیون چلی؟ یہ تارے کس نے بنائے؟ غرض ہر چیز جو اسکو نظر آتی ہے اسکی حقیقت
جاننا چاہتا ہے جسکی خبر باپ تو باپ اُسکے نگڑ دادا کو بھی نہ تھی -
ایک دکاندار عدالت کے چپراسی سے پوچھتا ہے - میانجی بھلا اُس ڈاکہ کے
مقدمہ مین کیا حکم ہوا؟ حالانکہ اُس کو مقدمہ سے کچھ سروکار نہین - ایک راہگیر ریلوے کے
ملازم سے پوچھتا ہے - کیون بابوجی وہ جو ہاترس کے پاس ریل گاڑیان لڑ گئی ہین کچھ
اُنکی کیفیت آپ نے بھی سنی؟ اسی خواہش کا نتیجہ ہے کہ طرح طرح کے اخبار گزٹ میگزین

نکلتے ہین اور دنیا کے تازہ ترین حالات وحادثات وواقعات کی خبرین روزانہ ہفتہ وار ماہوار پہونچاتے رہتے ہین - مگر یہ تو خواہش علم کی ادنی چاٹ ہے جسکا چسکا اسکو صبح شام لگا رہتا ہے - رہی سیری سو وہ تو بڑے بڑے کتب خانون سے بھی جن مین ہزارہا جلدین بھری پڑی ہین محال ہے - اسی لیئے ہر سال ہزارون نئی کتابین مختلف علوم وفنون کی تالیف وتصنیف ہوتی اور چھپتی ہین انسان چاہتا ہے کہ اپنی حقیقت اور نہ صرف اپنی بلکہ کل عالم کی ماہیت اسکو معلوم ہو جاے - اسی غرض سے طبیعی ریاضی فلسفہ مذہب وغیرہ علوم ایجاد ہوئے اور جو کچھ ترقیان ان مین ہوتی چلی جاتی ہین وہ سب اسی خواہش کی بدولت ہین - جو لوگ علم دوست ہین اُن مین یہ خواہش ایسی زبردست ہو جاتی ہے کہ مرتے مرتے بھی تحصیل علم سے نہین چوکتے - ایک مہندس کی نقل ہے کہ وہ کوئی مسئلہ ریاضی کا حل کر رہا تھا - انہین دنون غنیم شہر کو محاصرہ کیئے پڑا تھا یہانتک کہ شہر فتح ہو گیا اور چند سپاہی ننگی تلوارین لیئے اُسکے سر پر آ پہونچے - تب تو مہندس کے چھکے چھوٹے لگا منت سماجت کرنے "بھائی اتنی مہلت دیدو کہ مین اس سوال کو حل کر لون پھر تم کو اختیار ہے" نے تکلف مار ڈالنا" وہ جو لوگ کہا کرتے ہین کہ ہم کو مرنے کی بھی فرصت نہین سو عوام کے لیئے تو ایک قسم کا مبالغہ ہی مبالغہ ہے مگر اہل علم کی مصروفیت دیکھو تو ایک بیان واقعی ہے - اور یہ بھی اس خواہش کا خاصہ ہے کہ کبھی پوری نہین ہوتی مہد سے لحد تک اپنا کام کیئے جاتی ہے کیونکہ آدمی ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ ہر شئی کی اصل وحقیقت کو جانے پہچانے اور اس سے کوئی بھید قدرت کا پوشیدہ نہ رہے - لیکن قدرت کے قوانین اور اسرار ہین لانہایت اس لیئے انکا علم بھی ہے بیحد وغایت انسان جس قدر علم حاصل کرتا ہے - اُسی قدر خواہش بڑھتی جاتی ہے پھر سیری ہو تو کیونکر ہو - عالم جب میدان علم کی وسعت پر نظر کرتا ہے تو اُسکے آگے

اپنی معلومات کو حقیر و ناچیز جانتا اور اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھتا ہے۔ البتہ اوچھی پونجی
والون کو اپنے علم کا غرہ ہوتا ہے اور غلطی سے اپنے آپ کو دھنا سیٹھ سمجھنے لگتے ہین۔
لیکن جب آگے بڑھکر علم کے بیش بہا خزانے دیکھتے ہین تو اپنی خام خیالی سے خود شرماتے
ہین۔ علم کا چشمہ بھی عجیب چشمہ ہے جسکا تھوڑا پانی پیئے تو آدمی دیوانہ بنجاے زیادہ
پیئے تو عاقل و فرزانہ۔

(۳) خواہش سرور

یہ خواہش بھی فطری ہے کیونکہ ہر انسان مین ہے اور نہایت قوی ہے۔ کون ہے،
جو راحت کا طالب اور رنج سے خائف نہو۔ ہر کوئی شب و روز اس دھن مین لگا رہتا ہے
کہ جہان تک بنے اور جیسے بنے عیش و نشاط کا سامان مہیا رکھے۔ کسی وقت دل پر میل نہ آنے
پائے۔ ساری عمر خوشی و خرمی مین بسر ہو۔ مگر آدمی کتنے ہی سامان بہم پہونچائے اور کتنے ہی ہاتھ
پانوٴن مارے آسایش کی نسبت تکلیف مین زیادہ گرفتار رہتا ہے۔ البتہ اُسکے ساتھ ایک مونس
غمخوار ایسا ہے جو ہر حالت مین اسکی دلدہی کرتا اور کوششون پر آمادہ رکھتا ہے۔ آسودگی کے
زمانے مین یون پھسلاتا ہے "ارے میان! کیسا رنج اور کہان کا ملال ان باتون کا خیال
بھی دل مین نہ لاوٴ۔ خدا عیش کی گھڑیان سلامت رکھے۔ عمر بھر چین کیے جاوٴ ؎

عاقبت کی خبر خدا جانے"	اب تو آرام سے گزرتی ہے

دکھ درد کی حالت مین یون تسلی دیتا ہے "کہ ہمیشہ دن ایک سے نہین رہتے۔
کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتین۔ خوشی نہ رہی تو غم کیون رہیگا۔ یہ بھی ایک وقت ہے
اب گزرا ع ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ ذرا صبر کرو پھر چین ہی چین ہے یہ بُرے
دن یاد بھی نہ رہینگے" ایسا شفیق غمگسار کون ہے؟ امید جو ہمیشہ تجربہ کے خلاف ہی یقین

دلاتی ہے۔ کہ جو ہوا سو ہوا آیندہ ہرگز ایسا نہو گا۔ غرض ساری عمر انسان کی اسی کشمکش مین گزر جاتی ہے کبھی دکھ کبھی سکھ۔ کبھی رنج کبھی راحت۔ آخرکار ایک دن موت اسکی گردن آدباتی اور سب جھگڑے چکادیتی ہے۔ یہ ڈھارس بندھانے والی امید بھلے کو ساتھ لگی ہوئی ہے۔ ورنہ آدمی غم واندوہ کے اندیشے سے گھل گھلکر بن آئی مرجایا کرتا۔ الحاصل سرور جس پر آدمی اس قدر شیفتہ و فریفتہ ہے۔ تین طرح کا ہوتا ہے۔

ایک تو جسمانی یا حسّی۔ دوسرا دماغی یا عقلی۔ تیسرا روحانی یا باطنی

سرور جسمانی

جسمانی سرور وہ ہے جو حواس ظاہری کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً نغمۂ شیرین یا کلام فصیح کان کی راحت ہے شکیل و جمیل انسان۔ خوشنما اشیا۔ خوش قطع مکان اور پرفضا مقام کا نظارہ۔ سبزہ زارون باغون پہاڑون کی سیر آنکھ کی آسایش ہے اسی طرح مشک وعنبر وعطریات کا سونگھنا ناک کی۔ مزیدار کھانے زبان کی۔ نرم کپڑون اور گدگدی چیزون کا چھونا جلد بدن کی لذت ہے۔ جب کئی اندریون کی راحت ایک وقت مین حاصل ہوتی ہے تو لطف بھی دوبالا ہو جاتا ہے مثلاً گویا ہو خوش گلو اور خوبرو بھی۔ کھانا ہو آب و نمک بھی ٹھیک ہو باس بھی اچھی۔ کپڑا ہو خوش رنگ بھی اور نرم بھی جبکہ ایک ایک دو دو اندریون کی راحت ایسی دلکش ہوتی ہے کہ آدمی سپر پروانہ بنجاتا ہے تو پانچون کا اجتماع قیامت سے کم نہین ہے

تلسی وہ کیسے جئے جس کو لاگین پانچ		ال پتنگ مرگ مین گج جرت ایک ہی آنچ

مدعا یہ ہے کہ بھونرا خوشبو کے شوق مین۔ پروانہ روشنی کے عشق مین۔ ہرن راگ کی دھن مین مچھلی کھانے کی چاٹ مین اور ہاتھی حظ نفسانی کی دھت مین ہلاک ہو جاتا ہے انسان

بیچارہ جس پر پانچون اندریان غالب ہین کیونکر زندہ رہے۔ مگر انسان مین ہر اندری کا جوش یکسان نہین ہوتا۔ کوئی کسی اندری کا غلام ہے کوئی کسی کا۔ بعض کو عمدہ کھانون کا شوق ہے تو بعض کو اچھے لباس کا۔ کوئی حسن صورت پر مرتا ہے۔ تو کوئی گانے بجانے مین عمر صرف کرتا ہے۔ اکثر حکما کا اتفاق اس پر ہے کہ کل لذائذ جسی مین کام یعنی خواہش نفسانی نہایت زبردست ہے۔ اس راحت کے پیچھے انسان ایسا دیوانہ ہوجاتا ہے۔ کہ دولت۔ صحت۔ عزت سبھی تو کھو بیٹھتا ہے۔ بلکہ جان تک دریغ نہین کرتا۔ چنانچہ کسی کو کثرت عیاشی مار رکھتی ہے کوئی رقیبون کے ہاتھ سے ہلاک ہوتا ہے۔

دولت کل جسمانی راحتون کی ضامن ہے۔ روپیہ پلّے ہو تو ہر قسم کا سامان عیش فراہم ہو سکتا ہے۔ اسی لیئے انسان اُسکی طلب مین سخت کوشش کرتا ہے۔ مگر جب خواہش نفسانی کا بھوت سوار ہوتا ہے تو دولت کی بھی کچھ پروا نہین کرتا بیدھڑک اُڑا ڈالتا ہے۔

تندرستی سے بقای حیات ہے۔ اسکی حفاظت کے لیئے انسان کیا کچھ نہین کرتا ایک اپنے دم کے لیئے ہزارون بے گناہ جانورون کا خون بہاتا ہے۔ تندرستی ہی پر حصول علم کا مدار ہے۔ علم طب کی اتنی قدر و منزلت صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہ حفظ صحت کی تدبیر بتاتا ہے۔ تندرستی ہی حصول راحت کی بنیاد ہے۔ ایک صحت نہو تو سب راحتین ہیچ ہین لیکن لذائذ جسی کے چٹخارون پر تندرستی جیسی عزیز چیز کو بھی آدمی قربان کر دیتا ہے جسم و دماغ ایک حالت مین دیر تک رہنے سے تکلیف دہ ہوجاتے ہین لہذا اُن کی تبدیل حالت سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ انواع واقسام کے کھیل وتماشے اسی لیئے راحت کا ذریعہ ہوتے ہین۔

عادت بھی حصول راحت کا بڑا ذریعہ ہے مثلاً حقّہ۔ پان۔ چاے۔ اور نشیلی چیزین

جبکہ لت پڑ جاتی ہے تو ان سے بھی راحت حاصل ہوتی ہے۔ بعض حکمائ کہتے ہین کہ محض عادت ہی راحت کی بنیاد ہے جس شے کی عادت نہین اُس مین نہ راحت ہے نہ سرور۔

سرور دماغی

دماغی سرور وہ ہے جو حواس باطنی کے وسیلے سے محسوس ہوتا ہے اس کو راحت خیالی بھی کہتے ہین اسکے تین ذریعے ہین۔ **اظہار خودی۔ علم۔ نیکی۔**

اظہار خودی

یہ نہایت پُر زور خواہش ہے جس سے اعلیٰ درجے کی راحت دماغی حاصل ہوتی ہے اسکے بہت سے وسائل ہین۔ دولت۔ طاقت۔ خوبصورتی۔ حکومت۔ نیکنامی وغیرہ۔ دولت۔ راحت جسمانی کے علاوہ اس سے اظہار خودی کا سرور بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ اہل دولت اپنے ہم چشمون مین معزز خیال کیے جاتے ہین۔

طاقت بھی اظہار خودی کا وسیلہ ہے کیونکہ زبردست آدمی اورون پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔ خوبصورتی پر بھی آدمی کو بڑا ناز ہوتا ہے اور اس سے اظہار خودی کا خوب موقع ملتا ہے۔

وہ رہتے ہین اپنی ہی خوبی پہ نازان
مرے یا جئے کوئی اُن کی بلا سے

حکومت۔ تو اعلیٰ سے اعلیٰ ذریعہ اظہار خودی کا ہے۔ دولت۔ عزت۔ شہرت۔ سب اسکی جلو مین چلتی ہین اس لیئے آدمی اسکی حصول پر مٹا ہوا ہے کونسی کوتک ہین جو حصول سلطنت کے لیئے انسان نے نہین کیئے یگانون بیگانون کے خون مین ہاتھ رنگے بیگناہون کا قتل عام جائز رکھا۔ حکومت ہی کا نشہ ہے جو انسان کو بلا خوف میدان جنگ مین توپون کے مقابل لیجاتا ہے۔ حکومت ہی کا زور ہے۔ جو انسان کو سردار لشکر یا گروہ قوم بنا کر سجدہ کراتا ہے۔

نیک نامی اور شہرت مین بھی اظہار خودی کا سرور لبالب بھرا پڑا ہے اور خواہشین سرد ہو جاتی ہین تب بھی نیکنامی کی چاہت اکثر دل مین بنی رہتی ہے۔ کیسا ہی تارک الدنیا ہو نے طمع بے لاگ بے نفس ہو ایک لفظ خلاف شان کہدیجیے فوراً چین بجبین ہو جائیگا یہ خواہش نہایت باریک اور پوشیدہ ہے۔ بسا اوقات انسان خود نہین جانتا کہ اسمین یہ خواہش باقی ہے۔ حالانکہ دل کے پردون مین چھپی رہتی ہے اسلیے اسکا دور کرنا بہت کٹھن کام ہے

علم

جیسا کہ حصول راحت جسمانی کا ایک ذریعہ ہے اس سے بڑھکر اظہار خودی کا وسیلہ ہے۔ اگر ان دونون راحتون سے قطع نظر کرو تو بھی علم بنفسہ ایک اعلیٰ درجہ کی راحت ہے اسکا مزہ وہ ہی خوب جانتے ہین جنکو علم حاصل ہے۔ عالم آدمی سلطنت کی بھی پروا نہین کرتا۔ کیونکہ بادشاہ کو جو راحت حاصل ہوتی ہے وہ بیرونی ساز و سامان سے ہوتی ہے اس سامان مین ذرا کسر پڑی اور راحت مین خلل آیا مگر عالم خود گنجینۂ راحت ہے کسی خارجی شے کا محتاج نہین۔ بعض اوقات فلاسفر کا ایک خیال اور شاعر کا ایک شعر تخت و تاج سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے کہتے ہین کسی بہادر سردار نے ایک ملک فتح کیا۔ اسپر اُسکے ایک دوست نے مبارکباد دی تو آہ سرد بھر کر بولا۔ کاش مین فلان نظم کا مصنف ہوتا نہ کہ اس ملک کا فاتح

گو نہین حکم روان۔ طبع روان رکھتے ہین	کم نہین ملک سخن ملک جہان سے ناسخ

جب سکندر پیدا ہوا تو اُسکے باپ نے حکیم ارسطو کو نامہ لکھا باین مضمون "مین نہین جانتا کہ بیٹا پیدا ہونے کی خوشی مجھے اسلیے ہے کہ وہ ایک بڑی سلطنت کا بادشاہ ہوگا یا اسلیے کہ اُسکو آپ جیسے اُستاد کی شاگردی نصیب ہوگی"

ایک عالم کا ذکر ہے کہ وہ عرصہ دراز سے ایک سوال کے حل کرنے مین جد و جہد کر رہا تھا۔

ایک روز حمام نہاتے وقت اِسکا ذہن لڑگیا اور عقدہ حل ہوگیا۔ پھر تو وہ یون کہتا سر بازار ننگا بھاگا چلا گیا ''مین نے حل کرلیا۔ حل کرلیا''۔ ایسا سرور جو از خود رفتہ بنا دے علم ہی سے حاصل ہوسکتا ہے نہ کہ دنیوی سامان سے۔

راحتِ علم مین ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ جسمانی راحتون سے زیادہ لطیف و دیر پا ہوتی ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ اِسمین اورون کو شریک کرلینے سے کچھ گھاٹا نہین آتا تیسری بزرگی یہ ہے کہ اسکی زیادتی مین کچھ اندیشہ خرابی کا نہین جیسا کہ جسمانی راحتون مین ہوتا ہے کہ جہان حد سے بڑھین آدمی کو لے ڈوبین بلکہ یہان اسکے برعکس ہے جتنی علمی راحت بڑھیگی اتنی ہی آدمیت کو ترقی ہوگی۔

نیکی

یہ تیسرا طریقہ راحت دماغی کے حصول کا ہے دوسرون کی نفع رسانی مین بلاغرض سعی کرنا نیکی کہلاتی ہے۔ ایسا کرنے سے ایک عجیب لطیف سرور دماغی حاصل ہوتا ہے اکثر آدمی جو خود غرضی کی بلامین مُبتلا اور خود مطلبی کے زندان تنگ مین مُقیّد ہین وہ اس نعمتِ عظمیٰ کے ذائقہ سے بالکل محروم ہین مگر جو شخص اسکی لذت سے کچھ بھی آشنا ہوجاتا ہے وہ اپنا تن مَن۔ دَھن۔ اسپر نثار کردیتا ہے اور تمام عمر حاتم وقت بنکر اس بے بدل راحت کا حظ اُٹھاتا ہے نیکی۔ رحم۔ ہمدردی۔ محبت سب ایک چشمے کے سوتے۔ ایک درخت کی شاخین۔ یا یون سمجھو کہ چیز ایک اُسکی حالتین مختلف۔ اُن مختلف حالتون کے یہ جدا جدا نام ہین۔ انسان نیکی کی بدولت فرشتہ بن جاتا اور یہ دنیا اُسکو بہشت کا سا سرور دیتی ہے ؎

	ایسی معیشت کر لوگون سے جیسی عمگش میر سنے کی مُدّت گزری اُٹھ گئے اُسکو۔ روتے ہین ہمسائے ہنوز	

سرور روحانی

جب انسان کو نیکی کی بدولت صفائی قلب حاصل ہوتی ہے اور دل یکسو ہو کر استغراق مین
پہونچتا ہے تو اسمین ایک عجیب لطیف سرور باطنی پیدا ہوتا ہے جسکو سرور روحانی کہتے ہین۔
علم کا مزہ عالم ہی جانتا ہے نیکی کی راحت نیک شخص ہی محسوس کرتا ہے اسی طرح روحانی سرو
صرف وہی شخص معلوم کرتا ہے جو اہل حال ہے اہل قال اُسکو نہین سمجھ سکتا جسکو یہ سرور حاصل
ہوتا ہے وے رشی مُنی اولیا کے نام سے موسوم کیے جاتے ہین انھین اولیا کا بیان ہے کہ راحت
جسمانی وراحت دماغی اس سرور روحانی کے ادنی مراتب ہین جنکو اس سرور کی ایک جھلک
بھی نصیب ہو جاتی ہے اُنکی نظر مین دنیا کی کل راحتین ہیچ ہو جاتی ہین اور اُسکے سب مزے ایسے
پھیکے پڑ جاتے ہین کہ پھر انکی طرف رغبت نہین ہوتی ہے

ہر کہ از دیدار برخوردار شد	این جہان در چشم او مردار شد

میرے اس بیان سے یہ تو آپ بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ تین خواہشین انسان کی فطرت
مین داخل ہین۔ خواہش بقاے دوام۔ خواہشِ علم کل۔ خواہش سرور سرمدی۔ سنسکرت مین
بقاے دوام کو ست کہتے ہین۔ علم کل کو چِت۔ سرور سرمدی کو آنند۔ ان تینون لفظون
کی ترکیب سے بنا لفظ سچدآنند۔ پس انسان ہمیشہ سچدآنند کا خواہشمند رہتا ہے۔ مگر اُسکی یہ
خواہش عموماً پوری نہین ہوتی تو اب دو باتین غور طلب ہین۔ اول انسان کی فطرت مین
سچدآنند کی خواہش کیون ہے؟ دوم سچدآنند کی خواہش ہے تو اُسکو پاتا کیون نہین؟ یہ تو سنا ہوگا
کُل شئی یرجع الی اصلہ یعنی ہر ایک شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے نہ کہ دوسری طرف
اچھا تو انسان ایک شے ہے اسلیے انسان ہمیشہ اپنی اصل کی طرف رجوع کریگا نہ کہ دوسری
طرف مگر ہم دیکھتے ہین کہ انسان ہمیشہ سچدآنند کی طرف رجوع کرتا ہے نہ کہ دوسری طرف پس

معلوم ہوا کہ سچدآنند ہی انسان کی اصل ہے اسلیے سچدآنند کی طلب اُسکی فطرت مین ہے

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش	باز جوید روزگار وصل خویش	

اب رہی یہ بات کہ انسان کو باوجود تلاش سچدآنند حاصل کیون نہین۔ اصل یہ ہے کہ وہ تلاش تو بیشک کرتا ہے مگر اُن قیود کے اندر جنمین سچدآنند کا ظہور کامل نہین ہے اگر یہ قیود دور ہو جائین تو ممکن ہے کہ انسان سچدآنند کو پالے۔ سچدآنند کی ترکیب تو تمنے سن ہی لی۔ ست۔ چت اور آنند اب سچدآنند کا پہلا جزو سَت جو کل لفظ کے معنی دیتا ہے درشن کے ساتھ ملایا درشن کے معنی ہین مشاہدہ یا حصول۔ صرفی قاعدہ کے بموجب (ت) (د) سے بدل گئی تو سدرشن ہوا یعنی سچدآنند کا مشاہدہ یا حصول۔

سوامی جی یہ کہکر خاموش ہوگئے تو مین نے عرض کیا آپ کی بزرگانہ عنایت کا کیا شکریہ ادا کرون۔ اس بیان شافی سے مجکو کمال راحت حاصل ہوئی اور نہ صرف راحت بلکہ میری بہت سی جہالت دور ہوگئی۔ مین خوب سمجھ گیا کہ انسان کی اصل سچدآنند ہے اسلیے وہ ہمیشہ سچدآنند کا متلاشی رہتا ہے۔ مگر اتنی بات اور رہ گئی کہ وہ قیود جنکی وجہ سے سچدآنند کا کامل ظہور نہین ہوتا کیا ہین اور کیونکر دور ہوسکتی ہین؟ فرمایا آپ تو یہ چاہتے ہین کہ جو ہونا ہو اسی دم ہوجائے سو یہ ممکن نہین مثلاً علم کُل کی خواہش آپ کی فطرت مین ہے۔ لیکن اسکا حصول دفعتہً نہین ہوسکتا بلکہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے۔

	بہ مطلب میرسد جویای کام آہستہ آہستہ	

خیر اس سوال کا جواب پھر کسی وقت دینگے۔ دوپہر ہونے آیا ذرا اشنان کرلین۔ یہ کہکر اُٹھ کھڑے ہوے مین نے کہا حکم ہو تو مین بھی ہمراہ چلون اشنان مین آپ کو مدد دونگا فرمایا کچھ ضرورت نہین ہم تو تنہائی مین اشنان کیا کرتے ہین۔ یہ کہتے ہوے چلدیے۔ کوئی دو گھنٹے بعد واپس آئے

اور بیٹھکر چادر کی گرہ کھولی جھاڑیون مین سے بیر چُن لائے تھے کچھ مجھے دیے کچھ آپ کھائے کنڈل سے پانی پیا اور ایسے خوش معلوم ہوتے تھے کہ لذیذ کھانا کھاکر بھی کوئی اتنا خوش نہوتا۔ ایک پتھر کا تکیہ لگاکر لیٹ گئے اور کہنے لگے سنو مین اپنے ایک سفر کا حال بیان کرتا ہون۔

فصل دوم

سوامی جی کا سفر نامہ

ایکبار چلتے پھرتے ایک بستی مین گزر ہوا جسکا نام دھرم پور تھا کچھ ایسا بڑا شہر تو نہ تھا مگر بہت ہی گلزار تھا۔ کوئی پچاس ہزار کے قریب آبادی ہوگی۔ مکانات بیشتر پختہ۔ ساہوکارون کی کثرت جنکی عالیشان عمارتون سے دولت مندی ٹپک رہی تھی۔ سڑکین کشادہ۔ کوچے صاف جابجا پاکیزہ مندر اور مُصفّا مسجدین بنی ہوئین جنکو دیکھکر معلوم ہوتا تھا کہ باشندے یہان کے دیندار اور دھرماتما ہین۔ بازار بہت چوڑا چکلا۔ دکانین خوش قطع اور وسیع قیمتی اجناس سے بھری ہوئین محلے در محلے تعلیم کے لیے مدرسے جاری۔ بستی سے باہر ایک شاندار عمدہ کالج تھا جسمین اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ سواد شہر باغات سے سرسبز ہو رہا تھا جنمین دھرم شالے بنے ہوئے اور سدا برت لگے ہوئے تھے کہ سادھو فقیر آئین تو آرام پائین اور بے فکری سے عبادت مین جی لگائین شہر کے ایک جانب ندی بہتی تھی پار جانے کو ایک مضبوط آہنی پُل تھا کنارے کنارے پختہ گھاٹ بنے تھے اور جابجا پھلواریان نئے نئے قسم کے بیل بوٹون سے آراستہ۔ کسی مین پاکیزہ مندر ہے تو کسی مین مصفّا مسجد ہے۔ شہر کے اکثر زن و مرد صبح شام وہان جاتے اور نہا دھوکر اپنے اپنے طور پر پوجا پاٹ کرتے۔ دریا پار خوب صورت پہاڑیان تھین بہت اونچی تو نہ تھین مگر خوب سرسبز و شاداب انپر چڑھنے کو کشادہ راہین پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھین چوٹیون پر چھوٹے چھوٹے

میدان تھے جنمین لوہے کی چوکیان اور تپائیان پڑی رہتی تھین شہر کے نوجوان سیر و تفریح کے لیے
اکثر شام کو وہان جاتے۔ چلتے پھرتے یا تپائیون پر بیٹھ شہر اور دریا کی سیر دیکھتے یا آپسمین بات چیت
کرتے۔ کبھی مذہبی فلسفی اور منطقی مباحثے چھڑ جاتے مگر نہایت تہذیب و شایستگی کے ساتھ ایک
سے ایک تیوری مین بل نہ ڈالتا۔ اس شہر کو دیکھکر میری طبیعت بہت خوش ہوئی ندی کنارے
ایک باغ تھا۔ باغ مین عالیشان مندر۔ اور مندر کے متعلق دھرم شالہ تھی۔ مین وہان جا اُترا
معلوم ہوا کہ یہ عمارت سیٹھ بھولا ناتھ کی ہے۔ نوکر چاکر جو مالک کی طرف سے تعینات تھے
بہت نیک سیرت خلیق۔ باادب۔ مسافر نواز۔ مجکو دیکھتے ہی حال پوچھا۔ اور چٹ پٹ کھانے
کے اہتمام مین مشغول ہو گئے۔ مین نے ذرا آرام کر کے اشنان کیا۔ پھر کھانا کھایا۔ سرِ شام
لالہ صاحب بھی باغ مین تشریف لائے۔ میری خبر سُنکر پاس آ بیٹھے اور دیر تک باتین کر کے
چلے گئے۔ لوگون سے سُنا کہ یہ اس بستی کے بڑے ساہوکارون مین سے ہین۔ نہایت سخی۔
نیکدل۔ نیم دھرم کے سخت پابند اور بیوہار بھی ایمانداری کا ہے۔ اسلیے لوگون مین انکی بڑی عزت اور
ساکھ ہے۔ پھر تو لالہ صاحب کئی بار میرے پاس آئے گئے۔ مجھسے بہت محبت کرنے لگے عرصہ تک
مجھے ٹھیرائے رکھا کہین جانے نہ دیا۔ ایک دن جو آئے تو کہنے لگے سوامی جی آج ہمارے ٹھاکر جی
کا بیاہ ہے۔ اسی بستی کے ایک ساہوکار ہین اُنکی تلسی جی سے شادی قرار پائی ہے آپ بھی
مہربانی کر کے تشریف لائین۔ مین نے اُنکی خاطر سے منظور کر لیا۔ شام کے آٹھ بجے ہونگے کہ ایک
لڑکے نے آکر سلام کیا۔ کوئی سولہ برس کا سن و سال۔ نام پوچھا تو روشن لال۔ کہنے لگا لالہ جی نے
آپ کی سواری کے لیے ہاتھی بھیجا ہے برات چڑھنے کا وقت قریب آگیا صرف آپ کا انتظار
ہے۔ مین اُسی طرح اُٹھ لڑکے کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہو لیا۔ وہان پہونچے تو بڑی دھوم دھام ہو رہی
تھی اور ہاتھی گھوڑے۔ چرٹ۔ بگھیان وغیرہ سب ٹھاٹھ سامان مرتب اور تیار تھا۔ ہمارا ہاتھی بھی

ہاتھیون کی قطارین مل گیا اور فوراً برات روانہ ہوگئی۔ روشنی کا ایسا عمدہ انتظام تھا کہ رات کو دن بنا دیا۔ باغ بہاری کی ٹٹیون سے لالہ زار کھل گیا۔ باجے گاجے کی سُریلی صداؤن سے ہوا گونج اُٹھی۔ آتشبازی بھی نہایت نفیس تیار کرائی گئی تھی قدم قدم پر انار پھلجھڑیان۔ مہتاب۔ پٹاخے چھوڑے جا رہے تھے۔ مین نے روشن لال سے پوچھا۔ کیون صاحبزادے اِس برات کا سمان دیکھکر تمھارا دل خوش ہوا؟ اُسنے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر جواب دیا۔ نہین مہاراج۔ مین نے کہا کیا وجہ؟ کہا سوامی جی ہم تو غریب آدمی ہین۔ میرے والدین نے جانے کیا کیا سختیان اپنے اوپر جھیلکر اور پاپڑ بیل کر مجکو انٹرینس تک تعلیم دلائی ہے۔ آج کل تعلیم کے اخراجات کچھ ایسے بڑھگئے ہین کہ غریب بیچارے تو کس گنتی مین ہین اوسط درجہ والے بھی ہچکچاتے ہین بڑے امیر لوگ اوّل تو اپنے بچون کی تعلیم چندان ضروری نہین سمجھتے اور جو سمجھتے بھی ہین تو اُنکو خرچ کی کیا کمی اور اس سے کیا بحث کہ غریب بھائیون پر کیا بپتا بیت رہی ہے اور اُنکے بچے کیسے مارے مارے پھرتے ہین۔ عموماً ہمدردی اور مروت تو اُنکے دلون کو چھو نہین گئی۔ لالہ جی نے ہزارہا روپیہ خرچ کر کے ٹھاکر جی کا بیاہ تو رچا لیکن مین جو زندہ ٹھاکر جی موجود بیٹھا ہون اور کوئی غیر بھی نہین رشتے مین اُنکا عزیز قریب ہوتا ہون کبھی کچھ سلوک نہ کیا۔ میری جان کو تو یہ غم کھائے جاتا ہے کہ اگلی جماعت کی کتابین کیونکر خریدون گا اور ماہواری فیس کہان سے لاؤن گا۔ چار ناچار آیندہ تعلیم سے ہاتھ اُٹھانا اور کالج سے نام کٹانا پڑیگا۔ ایسی حالت مین یہ گڑیون کا سا کھیل آپ ہی انصاف کرین مجکو کیونکر بھلا معلوم ہو۔ یہ کہکر اُسکا جی بھر آیا اور آنکھون سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپکنے لگے۔ مین نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ بچہ گھبراؤ نہین۔ خدا نے تمکو ایسی ہمت ایسا شوق اور ایسی سمجھ دی ہے تو وہ تمھاری مرضی کے موافق کوئی سامان بھی غیب سے کر دیگا جسکو تم نہین جانتے ع خدا خود میر سامان ست اسباب توکل را۔ اتنے مین برات سمدھی کے دروازہ

جا پہونچی۔ ٹٹیون پر ہاتھ پڑ گیا ایک لٹس مچگیی۔ اور لوگون کے شور و غل نے زمین سر پر اُٹھالی یہ
ہنگامہ فرو نہوا تھا کہ آتشبازی مین آگ لگائی گئی۔ چکرون کی جنگھاڑ اور گولون کی دُھون دھان
سے کان بہرے ہوگئے۔ ہاتھی گھوڑے بدکنے لگے۔ وہ تو خیر ہوگئی۔ ہمارا فیلبان بہت ہوشیار تھا
نہین تو دو چار کا کچلا ہو گیا ہوتا۔ غرض صد ہا روپیہ ذری سی دیر مین پُھنک گیا۔ اور دھوان تک
نہ نکلا۔ مگر لوگون نے واہ واہ بہت کی۔ لالہ جی بھی خوش تھے کہ بڑا نام ہوا اور جیسا دل کھول کے
خرچ کیا تھا نیگ لگا۔ خوشامدی مصاحب بھی دل بڑھا رہے تھے کہ صاحب دولت اسی دن
کے لیے ہوتی ہے کہ چار آدمی جلسہ دیکھین اور کیا کوئی گٹھریان باندھکے ساتھ تھوڑا ہی
لے جاتا ہے۔ بڑی بات یہ ہی ہے کہ جگت مین نام ہو اور لوگ یاد کیا کرین۔ خیر مین تو اُسیوقت
اجازت لیکر دھرم شالہ کو واپس آیا۔ اگلے دن سُنا کہ شادی کے سب کام خیر و خوبی سے انجام
ہوے۔ اور بخوشی تمام دُلھن کو لیکر گھر آئے۔

ایک روز شام کے وقت دریا کے گھاٹ پر مین اور لالہ جی بیٹھے باتین کر رہے تھے
کہ روشن لال آیا اور ہم سے کچھ دور الگ بیٹھکر دریا کی سیر دیکھنے لگا۔ مین نے سیٹھ جی سے
کہا کہ یہ لڑکا بہت مسکین سعادتمند اور ذکی و فہیم ہے۔ آپ کا تو رشتہ دار ہے کچھ اسکے حال پر
توجہ نہین کرتے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ لگے سرد آہین بھرنے کیا کہون سوامی جی! مجکو ایشر نے سب کچھ
دیا ہے کسی شے کی کمی نہین مین بہت خوش ہون اور ہزار ہزار شکر اُسکی درگاہ مین کرتا ہون
مگر جب یہ خیال آتا ہے کہ آگے کو نہ کوئی نام لیوا ہے نہ پانی دیوا تو سر سے پاون تک سناٹا نکل جاتا
ہے اور دل ہے کہ پانی کے بلبلہ کی طرح بیٹھا جاتا ہے اب تک تو آس تھی کہ شاید مہر کی نظر
ہو جائے مگر عمر زیادہ ہوئی اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ واقعی یہ لڑکا ہونہار ہے اور میرا رشتہ
دار ہے۔ اسکول مین پڑھتا ہے۔ جی چاہتا ہے اسی کو گود لیلون شاید اسی سے میرا نام چلے

اور یہ دھن دولت ٹھکانے لگے۔ بھلا اس بارہ مین آپ کی کیا رلے ہے۔ مین نے کہا جو کچھ آپ نے سوچا ہے نہایت مناسب اور بجا ہے۔ بے تأمل اسکو متبنی کر لیجیے اور خوب تعلیم دلائیے تاکہ اسکا علم اور آپ کی دولت دونون ملکر خلقِ خدا کو نفع پہونچائین اور آپ کے بعد بھی خیر جاری رہے۔ اب تو سیٹھ جی کا ارادہ مصمم ہوگیا۔ گھر پہونچتے ہی بیوی سے مشورہ لے دوسرے دن روشن لال کو باقاعدہ متبنی کر لیا۔ بہت دھوم دھام اور ناچ رنگ کے ساتھ تمام رسمین ادا ہوئین۔ کل بستی کی دعوت کی گئی۔ غریبون محتاجون کو کھانا کپڑا بانٹا۔ اور اپنے مقدور کے موافق دان پُن خوب کیا۔

اسکے بعد ایک روز روشن لال کی تعلیم کے باب مین مجھسے مشورہ لیا۔ مین نے کہا بدستور کالج کی تعلیم جاری رکھیے۔ کہنے لگے اجی اِس تعلیم کا نتیجہ تو اکثر یہ ہی دیکھا کہ ناستک یعنی دہریے ہو جاتے ہین۔ میرا دل تو اِسے قبول نہین کرتا۔ مین نے کہا وجہ یہ ہے کہ یک طرفی تعلیم ہوتی ہے انگریزی علوم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ہو تو یہ نتیجہ ہرگز نہو (لالہ جی) اچھا محض سنسکرت ہی پڑھوائین تو کیسی؟ (مین) نری زباندانی سے انسان کے دماغی قوٰی کا پورا پورا نشو و نما نہین ہوتا اسلیے علوم کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ سنسکرت کے علوم تو بوجوہات زائل ہوچکے اور جو کچھ لے دے کے باقی بھی ہین تو اُنکا جاننے والا کہان اور پڑھانے والا کون؟ علوم طبعی و ریاضی تو انگریزی مین اچھے ہین اور فلسفہ سنسکرت کا لاجواب ہے دونون کی تعلیم ساتھون ساتھ ہو تو واہ واہ اس سے بہتر کیا! جو عمدہ تعلیم پاتے ہین وہی کسی وقت مین سچے آستک (خداپرست) ہوتے ہین ع کہ بے علم نتوان خدا را شناخت۔ میری رلے مین اگر آپ اس لڑکے کو ہندو کالج بنارس بھیجدین تو بہتر ہے کیونکہ وہان علاوہ انگریزی و سنسکرت علوم کی تعلیم کے اخلاقی و مذہبی تعلیم بھی دیجاتی ہے اسلیے اُسکے طلبا دہریے

ونیچرپے نہین ہوتے بلکہ آستک و دھرم کرم کے پورے پابند ہوتے ہین۔ یہ کالج چند شخصونکی علوہمتی
سے چل رہا ہے۔ افسوس اُسکو پوری امداد نہین پہونچتی ہے۔ ہندوستان مین دان پُن تو بہت ہوتا ہے
مگر سوپاترون کو نہین پہونچتا۔ جو صاحب اہل ہمت علم دوست ہین وہ اپنی خیرات ہی یہان بھیجدیا کرین تو اس
کالج کی بھی مدد ہو جائے اُنکا دان بھی سپھل ہو جائے کیونکہ وِدیا دان سب دانون سے
بڑھکر ہے اور اُنکی اور اُنکے بھائیون کی اولاد بھی سُدھر جائے۔ سیٹھ صاحب نے یہ رائے بہت
پسند کی مگر سٹھانی نے لڑکے کو جدا کرنا منظور نہ کیا لہٰذا یہ قرار پایا کہ دھرم پور کالج مین ہی تعلیم جاری
رکھی جائے دو چار دن کے بعد مین بھی چلدیا اتنا قیام بھی اتفاقی تھا ٭

آب دریا بہے تو بہتر	درویش روان رہے تو بہتر

بعد کو معلوم ہوا کہ سیٹھ صاحب نے اپنی دریا دلی سے ایک رقم کثیر ہندو کالج کو گمنام بھیجدی
کئی سال کے بعد اُس بستی مین پھر گزر ہوا تو دیکھا کہ لالہ جی کا انتقال ہو گیا ہے روشن لال
ایم اے پاس کرکے گھر کے کاروبار مین مشغول ہے۔ کل کارخانہ بدستور بلکہ پہلے سے بھی
بہتر حالت مین ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سٹھانی روشن لال کے پلنگ پاس کھڑی
یون کہہ رہی ہین۔

سٹھانی۔ بیٹا روشن لال! اُٹھو۔ دیکھو کتنا دن چڑھ گیا۔ آج تو تمکو اپنے پتا جی کا
شرادھ کرنا ہے۔

روشن لال۔ (آنکھین ملتے ہوئے) ماتا جی مین نے ذرا ذرا انتظام کل ہی کر دیا ہے
آپ خاطر جمع رکھیے۔

سٹھانی۔ اے بیٹا کیا انتظام کیا ہے کچھ مجھسے بھی تو کہو۔

روشن لال۔ ماتا جی شہر بھر کے جتنے وِدوان پنڈت اور سنیاسی ہین کوئی پچاس ہونگے

سب کا نمنترن (دعوت) کر دیا ہے اور محتاج خانے کے محتاجون اور یتیم خانے کے بچون کے لیے بھی کھانے اور کپڑے کا بند و بست کیا ہے بس دس بجے تک کل سامان تیار دیکھ لیجیے۔

ستھانی۔ خیر بیٹا تم جانو۔ پر تمھارے پتا جی کے سامنے تو شرادھ کے دن پورے ایک ہزار برہمنون کا بھوجن ہوا کرتا تھا۔ انکی ریت مین کسر پڑی تو بھلا ہمین تمھین لوگ کیا کہین گے۔

روشن لال۔ ماتا جی لوگون کے کہنے سننے کا آپ کچھ خیال نہ کرین۔ یہ بوجھ یار تو مین اٹھا لونگا اب رہی یہ بات کہ کرنا کیا چاہیے سو مجھسے سوامی دیانند جی کہہ چکے ہین کہ شردھا کے ساتھ و دوانون کا ستکار کرنا اور کھانا کھلا کر انکو ترپت کرنا۔ ویدون مین شرادھ ترپن کہا ہے۔ اور عقل بھی اس بات کو قبول کرتی ہے دنیا کے دکھاوے کو ایک بڑا جھگھٹ کرنا بالکل فضول ہے۔

ستھانی۔ لالا جی ویدون مین تو یہ بھی لکھا ہے کہ سانجھ سویرے سندھیا کرنی آدمی کا عین فرض ہے سو تم رات کے دس بجے تو اپنا گھر سے آتے ہو اور دن کے آٹھ بجے سو کر اٹھتے ہو۔ مین وید نہین پڑھی اسلیے کچھ کہہ نہین سکتی کہ شرادھ ترپن کا کیا مطلب ہے پر اتنا جانتی ہون کہ آدمی کو کچھ نہ کچھ لوک بھی تو برتنا ہی پڑتا ہے۔

روشن لال۔ (شرماکر) سندھیا کی بابت جو آپ نے فرمایا بہت ٹھیک ہے مگر وقت وقت کی تہذیب جدا ہوتی ہے۔ یہ بھی تو خیال کر و جس زمانہ کی یہ تہذیب تھی اُس زمانہ مین کیسی آسانی سے گزران ہوتی تھی غلہ اور پھل پھلار کی بہتات۔ آبادی کم۔ آدمی کو معاش کی تلاش مین اتنا سر کھپانا کا ہے کو پڑتا تھا جتنا آج کل۔ اسواسطے اگلے وقتون کے لوگ بہت سا وقت اپنی ذاتی ترقی اور پوجن بھجن مین صرف کرتے تھے۔ ہمارے زمانہ کے رنگ ڈھنگ اور ہمین ایک پیٹ پالنے ہی کا دھندھا اتنا بڑا ہے کہ سر اٹھانے کی فرصت نہین ملتی۔ پھر اپنے بھجنون کے

دنیچر ہے نہین ہوتے بلکہ آستک وہرم کرم کے پورے پابند ہوتے ہین۔ یہ کالج چند شخصونکی علو ہمتی سے چل رہا ہے۔ افسوس اسکو پوری امداد نہین پہونچتی ہے۔ ہندوستان مین دان پن تو بہت ہوتا ہے مگر سوپاترون کو نہین پہونچتا۔ جو صاحب اہل ہمت علم دوست ہین وہ اپنی خیرات ہی یہان بھیجدیا کرین تو اس کالج کی بھی مدد ہوجائے انکا دان بھی سپھل ہوجائے کیونکہ ودیا دان سب دانون سے بڑھکر ہے اور انکی اور انکے بھائیون کی اولاد بھی سدھر جائے۔ سیٹھ صاحب نے یہ رائے بہت پسند کی مگر سٹھانی نے لڑکے کو جدا کرنا منظور نہ کیا لہذا یہ قرار پایا کہ دہرم پور کالج مین ہی تعلیم جاری رکھی جائے دو چار دن کے بعد مین بھی چلدیا اتنا قیام بھی اتفاقی تھا۔

درویش روان رہے تو بہتر		آب دریا بہے تو بہتر

بعد کو معلوم ہوا کہ سیٹھ صاحب نے اپنی دریادلی سے ایک رقم کثیر ہندو کالج کو گمنام بھیجدی کئی سال کے بعد اس بستی مین پھر گزر ہوا تو دیکھا کہ لالہ جی کا انتقال ہوگیا ہے روشن لال ایم اے پاس کر کے گھر کے کاروبار مین مشغول ہے۔ کل کارخانہ بدستور بلکہ پہلے سے بھی بہتر حالت مین ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سٹھانی روشن لال کے پلنگ پاس کھڑی یون کہہ رہی ہین۔

سٹھانی۔ بیٹا روشن لال! اٹھو۔ دیکھو کتنا دن چڑھگیا۔ آج تو تمکو اپنے پتاجی کا شرادھ کرنا ہے۔

روشن لال۔ (آنکھین ملتے ہوے) ماتاجی مین نے ذرا ذرا انتظام کل ہی کردیا ہے آپ خاطر جمع رکھیے۔

سٹھانی۔ اے بیٹا کیا انتظام کیا ہے کچھ مجھسے بھی تو کہو۔

روشن لال۔ ماتاجی شہر بھر کے جتنے ودوان پنڈت اور سنیاسی ہین کوئی پچاس ہونگے

سب کا نمنت سرن (دعوت) کردیا ہے اور محتاج خانے کے محتاجون اور یتیم خانے کے بچون کے لیے بھی کھانے اور کپڑے کا بند وبست کیا ہے بس دس بجے تک کل سامان تیار دیکھیے۔

سٹھانی۔ خیر بیٹا تم جانو۔ پر تمھارے پتاجی کے سامنے تو شرادھ کے دن پورے ایک ہزار برہمنون کا بھوجن ہوا کرتا تھا۔ انکی ریت مین کسر پڑی تو بھلا ہمین تمھین لوگ کیا کہین گے۔

روشن لال۔ ماتاجی لوگون کے کہنے سننے کا آپ کچھ خیال نہ کرین۔ یہ بوجھ یار تو مین اُٹھالونگا اب رہی یہ بات کہ کرنا کیا چاہیے سو مجھسے سوامی دیانند جی کہہ چکے ہین کہ شردھا کے ساتھ ودوانون کا سنکار کرنا اور کھانا کھلا کر انکو ترپت کرنا۔ ویدون مین شرادھ ترپن کہا ہے۔ اور عقل بھی اس بات کو قبول کرتی ہے دنیا کے دکھاوے کو ایک بڑا جگھٹ کرنا بالکل فضول ہے۔

سٹھانی۔ للاجی ویدون مین تو یہ بھی لکھا ہے کہ سانجھ سویرے سندھیا کرنی آدمی کا عین فرض ہے سو تم رات کے دس بجے تو اپنا گھر سے آتے ہو اور دن کے آٹھ بجے سو کر اُٹھتے ہو۔ مین وید نہین پڑھی اسلیے کچھ کہہ نہین سکتی کہ شرادھ ترپن کا کیا مطلب ہے پر اتنا جانتی ہون کہ آدمی کو کچھ نہ کچھ لوک بھی تو برتنا ہی پڑتا ہے۔

روشن لال۔ (شرما کر) سندھیا کی بابت جو آپ نے فرمایا بہت ٹھیک ہے مگر وقت وقت کی تہذیب جدا ہوتی ہے۔ یہ بھی تو خیال کر و جس زمانہ کی یہ تہذیب تھی اُس زمانہ مین کیسی آسانی سے گزران ہوتی تھی غلہ اور پھل پھلار کی بُہتات۔ آبادی کم۔ آدمی کو معاش کی تلاش مین اتنا سر کھپانا کاہے کو پڑتا تھا جتنا آج کل۔ اسواسطے اگلے وقتون کے لوگ بہت سا وقت اپنی ذاتی ترقی اور پوجن بھجن مین صرف کرتے تھے۔ ہمارے زمانہ کے رنگ ڈھنگ اور ہین ایک پیٹ پالنے ہی کا دھندھا اتنا بڑا ہے کہ سر اُٹھانے کی فرصت نہین ملتی۔ پھر اپنے بھجنون کے

ساتھ ہمدردی اور اپنے ملک کی بھلائی۔ اپنے وطن کی خدمت۔ اپنے فرقہ کی خیرخواہی۔ یہ سب اس زمانہ کی ضروری باتین ہین۔ صرف اپنی ہنڈیا کی خیر منانے سے آج کل کام نہین چلتا۔ حاکمون سے ملنا جلنا۔ اُنکے خیالات معلوم کرنا عام لوگون کی خواہش اُنکو بتانا۔ کمیٹیون مین شریک ہونا جلسون مین جانا۔ کبھی قحط کا انتظام ہے۔ کبھی وبا کی روک تھام ہے اگر اس زمانہ کے شریف رئیس ان کامون سے جی چرائین اور اپنی جان بچائین تو اُنکی آبرو دو کوڑی کی ہوجائے اور بھلے مانسون مین اُنکی گنتی نہ رہے۔ سرکار دربار مین اُنکو کوئی کھڑا بھی ہونے دے۔ اب ذرا میری حالت دیکھیے۔ صبح کے آٹھ بجے پلنگ سے اُٹھا۔ نو بجے تک ضروریات اور اشنان سے فارغ ہوکر ذراسی چاے پی اور کوٹھی کے کام مین گھوڑے کی طرح جُت گیا۔ کبھی بارہ بجے کھانے کی فرصت ملی وہ بھی مشکل سے۔ ایک سے دو تک اخبار پڑھے جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل دنیا مین کیا ہو رہا ہے پھر ناول دیکھا جس سے قومون کے طور طریق انسان کی طبیعت کے نئے نئے انداز ظاہر ہوتے ہین۔ تین سے چار تک آنریری مجسٹریٹی کا کام کیا۔ چار بجے کچھ ناشتہ کر کے یتیم خانہ اور محتاج خانہ کے ملاحظہ کو گیا۔ وہان سے ٹون ہال آیا۔ کسی دن جلسہ ہے کسی دن لکچر بدقت تمام کوئی سات بجے الٹا گھر پہونچا اور جب ایک پیالی چاے کی اور دو سگرٹ آرام کرسی پر بیٹھکر پیے تو ذرا جان مین جان آئی۔ پھر ٹنا کھیلنے لگا۔ یار دوستون کی ہنسی مذاق اور گپ شپ سے دل تازہ ہوا اور دن بھر کی کوفت مٹ گئی۔ رات دن کے چوبیس گھنٹون مین لے دے کے صرف تین گھنٹے تفریح کے ملے جو یہ بھی نہو تو بس انسان کی زندگی ہوچکی۔ بھلا اس صورت مین صبح شام دو دو گھنٹے سندھیا کی فرصت حال کی تہذیب مین کیونکر مل سکتی ہے۔ اس سے میری یہ غرض تو نہین ہے کہ ہمارے اگلے بزرگون اور رشیون کی تہذیب ناقص تھی اور آج کل کی اچھی ہے۔ مگر اتنا ضرور کہتا ہون کہ انسان کو زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنا چاہیے۔ یہ باتین سنکر سٹھانی کو غصہ تو

بہت آیا مگر پی گئین اور مُنھ بناتی ہوئی وہان سے چلدین اور شرادھ جیسا کہ روشن لال نے انتظام
کیا تھا بہت اچھی طرح سے ہو گیا۔

شام کو روشن لال میرے پاس آئے اور ادھر اُدھر کی باتین کر کے لگے کہنے سوامی جی
آج ہمارے پتاجی کا شرادھ تھا۔ اُسوقت سے میری طبیعت بہت پریشان ہے۔ کچھ سمجھ مین نہین
آتا کہ مرے پیچھے انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ جہان تک عقل کام دیتی ہے یہ ہی سمجھ
مین آتا ہے کہ ان پانچ عناصر کے اجتماع سے ایک طرح کی چیتنتا پیدا ہو جاتی ہے جسکو
روح کہتے ہین۔ جب عناصر کی گرہ کُھل گئی وہ چیتنتا بھی جاتی رہی پھر ثواب عذاب کیسا
مین نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ تمھارے نزدیک یہ پانچون عناصر جڑ ہین یا چیتن۔
روشن لال۔ جناب! انگریزی سائنس یعنی علوم مادی کی رو سے تو کُل مادہ جڑ ہے لیکن
اُسکے اندر ایک قوت مخفی ہے جو طرح طرح کی تبدیلیان مادہ مین پیدا کرتی رہتی ہے اور یہ
بات قرین قیاس بھی ہے ورنہ جڑ مین تغیر تبدل کیونکر ہو۔
(مین) اس مخفی قوت کو تم چیتن کیون نہین مانتے؟
روشن لال۔ اسواسطے کہ اگر وہ چیتن ہے تو کل اشیا چیتن کیون نہین۔
(مین) جملہ اشیا اسی مخفی قوت کا مظہر ہین اور اُسکے ظہور کی تین صورتین ہین (۱) جمادات و
نباتات مین جو خواص جو آثار تم پاتے ہو یہ اسی قوّت کی چمک ہے (۲) اجسام حیوانی انسانی
مین جو چیتنتا تم دیکھتے ہو یہ اسی قوت کا ظہور ہے (۳) کاملین مین وہی قوت سرور
بنکر جلوہ گر ہوتی ہے۔
روشن لال۔ اچھا یہ مان بھی لیا کہ اس قوت کا ظہور مختلف صورتون مین مختلف طور پر ہوتا ہے
تو اس سے مطلب کیا نکلا؟ بعد مردن جب آدمی کے اجزاے دماغ منتشر ہو گئے تو چیتنتا کہان؟

دمین، ہان توآپ کا خیال یہ ہے کہ چیتنتا کا ظہور محض دماغ پر منحصر ہے۔

روشن لال۔ بیشک جب دماغ زائل ہوگیا تو چیتنتا کا ظہور پھر کس مین ہوگا۔

دمین، ممکن ہے کہ اس جسم کثیف کے اندر کوئی اور جسم لطیف ہو جسمین انسان کی چیتنتا بعد از مرگ بھی باقی رہتی ہو۔

روشن لال۔ سوامی جی قصور معاف ایسے ڈھکوسلون پر نہ تو عمل درآمد ہو سکتا ہے نہ اطمینان پُرانے زمانہ کے بھولے بھالے آدمی مان لیتے تھے۔ نئی روشنی والون کی تسلی کے لیئے یہ دقیانوسی خیالات کافی نہین۔ ایک لڑکا کوئی بارہ برس کا ہوگا چُپ چاپ بیٹھا ہماری باتین سُن رہا تھا۔ مین نے اُسپر مقناطیسی عمل شروع کیا تو پانچ ہی منٹ مین وہ سو گیا۔ اب روشن لال سے مین نے کہا کہ اس لڑکے کا دماغ تو جون کا تون یہین موجود ہے۔ کسی اَور جگہ کے حالات پوچھو۔ دیکھو بتاتا ہے یا نہین۔ روشن لال نے چند باتین پوچھین اور جواب صحیح پائے۔ تو بہت سٹ پٹائے اور بولے اچھا سوامی جی اب رات زیادہ گئی۔ مجھے اجازت دیجیے۔ ان باتون پر خوب غور کرکے کل پھر قدمبوسی حاصل کرونگا۔ دوسرے دن آئے تو کہنے لگے۔ سوامی جی مین نے بہت غور و فکر کیا آپ کے عمل سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ چیتنتا کا وجود محض دماغ پر منحصر نہین بلکہ وہ دماغ سے علحدہ بھی رہ سکتی ہے۔ اب مجھے یہ بتائیے کہ آپ کی رائے مین انسان کیا چیز ہے مین نے کہا اسکے جاننے کے لیے ایک خاص تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر مجمل طور پر مین کچھ بیان بھی کردون تو وہ تمھارے دل مین نہ جمیگا بلکہ اور بہت سے شکوک پیدا ہونگے جو تمکو سخت پریشان کردینگے اسلیے بہتر ہے کہ تم کچھ پڑھو۔ کہا کیا پڑھون۔ مین نے کہا پہلے گیتا، برہمہ سوترا اور اُپنشد پڑھو بعد مین پُران کا مطالعہ کرنا۔ چنانچہ روشن لال نے ایک لائق پنڈت سے پڑھنا شروع کردیا اور مین بھی چلدیا۔

تیسری بار جو مین اُس بستی مین پہونچا تو ایک دن سٹھانی میری خبر پاکر آئین اور کہنے لگین۔ سوامی جی روشن لال کا حال تو بہت ابتر ہے کچھ ایسی مہربانی کیجیے کہ وہ پھر سیدھی راہ لگ جائے نہین تو مین اُسکے غم مین گھل گھل کے مرجاؤنگی۔ مین نے کہا خیر تو ہے! کیا ہوا۔ کیا کچھ بدراہ ہوگیا؟ یا تمھارا کہنا نہین مانتا۔ بولین۔ جی نہین یہ بات کہان۔ اُسے تو اپنا بھی ہوش نہین۔ کھانا بہت کم کھاتا ہے۔ بات کم کرتا ہے۔ بہت پیچھے پڑی تو کچھ ہون ہان کردی نہین تو بالکل چُپ سناٹے مین۔ جیسے کسی کے دھیان مین ڈوبا ہوا ہے۔ ملنا جلنا آنا جانا سیر سپاٹا سب موقوف گھر مین سے باہر نکلنا بند۔ بس ایک جگہ تصویر بنا بیٹھا رہتا ہے۔ جانے میرے بچے کو کیا ہوگیا! یہ کہکر لگین ہاے ہاے کرنے اور زار وقطار رونے۔ مین نے کہا سٹھانی جی گھبراؤ مت تمھارا بیٹا اچھا خاصہ ہے۔ شاستر کے نہ سمجھنے سے اُسے کچا ویراگ ہوگیا ہے کچھ سندیہہ کی بات نہین جیسا تھا پھر ویسا ہی ہوجائیگا بلکہ اُس سے بہتر۔ خیر وہ آنسو پونچھ پانچھ کر گھر کو گئین۔

دوسرے دن مین نے روشن لال کو بلا بھیجا اور پوچھا کہو بیٹا کیا حال ہے۔؟

(روشن لال) سوامی جی کیا عرض کرون مجکو دنیا کی کسی چیز مین مزہ نہین آتا۔ ہر وقت ایک اُلجھن سی رہتی ہے۔ بس اب تو یہی جی چاہتا ہے کہ سنیاس لے لون اور کسی گوشۂ تنہائی مین بیٹھکر عبادت الٰہی مین باقی عمر کے دن تیر کردون۔

(مین) بیٹا کیون۔ کس مقصد کے لیے؟

(روشن لال) یہی مکتی کے لیے۔

(مین) تو عبادت کے کیا معنی سمجھتے ہو؟

(روشن لال) اور کیا معنی ہین۔ بس یہی کہ دل کو یکسو کرکے یادِ معبود مین مستغرق ہوجانا۔

(مین) مانا مگر دل کی یکسوئی کیونکر ہو۔؟

(روشن لال) خواہشات کے دور ہونے سے۔

(مین) بھلا خواہشات کیونکر دور ہون۔؟

(روشن لال) گوشہ نشینی سے۔ نہ وہان دنیا کا بکھیڑا ہوگا۔ نہ اُسکے حصول کی خواہش پیدا ہوگی۔

(مین) سنو جی! اول تو کوئی ایسی جگہ نہین جہان دنیوی اشیا نہون ایک قسم کی نہونگی دوسری قسم کی ہونگی۔ پھر جو تدبیر تمنے بیان کی وہ توبعینہ ایسی ہے جیسی ایک حکیم نے کسی مریض کو بتائی تھی۔ ایک مریض آیا حکیم جی کے پاس "حضرت کچھ علاج بتائیے۔ کھانا کھاتے ہی میرے پیٹ مین درد شروع ہوجاتا ہے"۔ حکیم جی نے فرمایا "اسکا تو سہل علاج ہے بس کھانا نہ کھایا کرو"۔ اول تو اشیا کے دور ہونے سے خواہش دور نہین ہوتی جیسے طامع کے دل سے تنہائی مین بھی طمع دولت نہین جاتی۔ دوسری بات یہ کہ اشیا کو قطعی دور کر دینا محال ہے اور نہین تو کھانے کپڑے ہی کی ضرورت ہوگی۔

(روشن لال) اسلیے تو بعضے سنیاسی ننگے پھرتے ہین۔

(مین) یون تو کل جانور ننگے پھرتے ہین۔ کیا وہ سنیاسی ہوگئے اچھا ننگے بھی پھرے تو کھانے کی فکر کیونکر ہوگی۔؟

(روشن لال) اکثر رحم دل آدمی سنیاسیون کو کھلا ہی دیتے ہین۔

(مین) کیا خوب اَور شخص تو تمپر رحم کرین کھانا کھلائین اور جنکا کھانا تمھارے ذمہ ہے تم اُنپر بے رحمی کرو۔ اچھا یہ تو بتاؤ اگر سب کے سب تمھاری ہی طرح مکتی کی تلاش مین نکل پڑین کیونکہ امین سب کا برابر استحقاق ہے تو کیا نتیجہ ہو پھر کون کسکو کھانا دے۔؟

(روشن لال) سوامی جی پھر خواہشین کیونکر دور ہون یہ ہی کمبخت یکسوئی مین خلل ڈالتی ہین اور جب یکسوئی نہین تو عبادت کیا خاک ہو۔

(مین) بیٹا خواہشین اشیا کی موجودگی سے پیدا نہین ہوتین جیسا کہ تمھارا خیال ہے بلکہ خودی سے
پیدا ہوتی ہین جب تمنے اپنے آپ کو جسم سمجھ رکھا ہے تو راحت جسمانی ہی کو ڈھونڈھتے ہو اور اُن
اشیا پر جنسے راحت جسمانی پاتے ہو تمھاری رال ٹپکتی ہے اگر اپنے آپے کو سچد آنند سمجھو تو کیون جسم
کی سائیسی کرو اور جسمانی راحتون کے لیے ٹھر پا جالی لیے پھرو۔ بس خودی کو دور کرو خواہشین
خود نکل بھاگین گی۔ تمھاری کوشش کی ضرورت بھی نہوگی اور تارک تو اصل مین وہی ہے
جو سامان عیش رکھتا ہو اور اُسکو ہیچ سمجھے ؎

گر بدولت برسی مست نگردی مردی
جسکو کچھ میسر ہی نہین اُسنے چھوڑا تو کیا چھوڑا وہی مثل ہے ننگی نہائے تو کیا نچوڑے۔ ع
عصمتِ بی بی ست از بے چادری

ایسا شخص تو جب دلفریب چیزون کو دیکھ پاتا ہے اور بھی زیادہ للچاتا ہے۔ البتہ جسکی خودی
دور ہو گئی اُسکو سب حالتین یکسان ہین۔ نہ کسی شے کی رغبت باقی رہتی ہے نہ کسی سے نفرت
پورانون مین ایک جگہ لکھا ہے کہ سچا یوگی اور سچا عابد وہی ہے جو دنیا مین رہے اور اُسکو ایک
سُراب یا عالم خواب سمجھے یہ ہی عبادت ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز شام کے وقت مہاراج سری کرشن جی رادھا جی کے
ساتھ جمنا کنارے سیر کر رہے تھے کہ وید کے گانے کی صدائے دلکش کان مین آئی۔ رادھا
نے متعجب ہو کر کرشن جی سے پوچھا یہ آواز کہان سے آتی ہے۔ فرمایا کہ قریب کے جنگل مین
ایک کُٹی ہے جسمین ایک سنیاسی مشغول عبادت ہے۔ رادھا نے کہا در حقیقت سنیاسی جو
گھر بار چھوڑ چھاڑ جنگلون مین رہکر عبادت کرتے ہین بڑے بابرکت لوگ ہین اور سب سے زیادہ
خدا کی عنایتون کے مستحق ہین اور یقیناً سب سے پہلے یہی اُنکو حاصل کرینگے گھر مین رہکر

کتنا ہی بڑا پارسا کیون نہو مکروہاتِ دنیا سے نجات نہین پا سکتا اور تنہائی کی سی عبادت نہین کر سکتا۔ کرشن جی نے بے توجہی سے جواب دیا ہان شاید ایسا ہی ہو لیکن رادھا کے دل مین تو جنگل کی پاک زندگی کُھب گئی تھی اسلیے اُسنے اس مضمون کو ختم نکیا بلکہ پھر اُسی کا ذکر چھیڑا کہ سنیاسیون کی چھوٹی سی کُٹی اور گیروا لباس مین ایک طرح کی برکت ہوتی ہے انسانون کی صحبت ترک کرنا جنگل کے درختون اور جانورون مین رہنا بس یہ ہی اُنکی بزرگی کی کافی دلیل ہے خدا کا دھیان جنگل کی تنہائی سے بہتر اور کہان ہو سکتا ہے۔ یہ کہکر کرشن جی سے درخواست کی کہ چلو اس درویش کی زیارت کرین۔ کہا اچھا چلو۔ ع

رضی ہین ہم اُسی مین جسمین تری رضا ہو

لیکن مین اس عابد سے ایک ظرافت کرونگا۔ اسلیے مین ایک شکاری کا بھیس بدلتا ہون اور تم جیسی حسین شہزادی ہو ویسی ہی بنی رہو۔ اسطرح ہم دونون اُس سے رات بھر کے قیام کی اجازت چاہین گے۔ جانورون سے بچنے کا بہانہ کافی ہوگا۔ پھر مین اُس سے ایک عجیب ماجرا اپنی نسبت بیان کرونگا۔ ذرا اتنا خیال رکھنا کہ لعل لب پر ہنسی نہ آنے پائے۔ یہ کہکر کرشن جی نے ایک بڈھے کوزہ پشت تھکے ماندے شکاری کا روپ بدلا اور نوجوان شاہزادی کے ہاتھ کے سہارے چلنا شروع کیا۔ پھر تو رادھا بے اختیار مارے ہنسی کے لوٹی جاتی تھین۔ خیر اس انداز سے چلتے چلتے اُس جگہ پہونچے جہان جنگل کے ایک گوشہ مین فقیر کی خوشنما کُٹی تھی آس پاس کی سب چیزین صاف سُتھری آراستہ دکھائی دیتی تھین جس سے مالک کی طبیعت کا مذاق ظاہر ہوتا تھا کُٹی کے اندر چند مٹی کے برتن۔ لکڑی کاٹنے کے اوزار۔ کاٹھ کی چوکیان۔ شیر کی کھال اور مرگ چھالا دباغت کی ہوئی نرم نرم۔ یہ چیزین موقع موقع سجی ہوئی تھین۔ کُٹی کے باہر کچھ اونچے اونچے پیڑ کُٹی سے ملے کچھ دور دور اِدھر اُدھر لگے گیروے کپڑے شاخون پر لٹکے یوگیانہ وضع ظاہر کر رہے تھے

یہ دونون شام کے جُھٹ پٹے مین جبکہ چاندنی جھلکنے لگی تھی وہان پہونچے اس مقام کا مالک ایک خوب صورت جوان تن پر گیروا خوش رنگ لباس جسکی رنگت چاندنی مین جھلملا رہی تھی کُٹی کے باہر چوڑی پتھر کی چوکی پر پورب کو مُنھ کیے چار زانو بیٹھا تھا۔ روبرو آتے ہی یہ دونون مسافر اُسکے قدمون پر جھکے۔ اُسنے دعائین دیکر پوچھا۔ بابا کون ہو اسوقت کہان سے آنا ہوا ؟ بڈھے نے جواب دیا یہ ناز پروردہ شہزادی جو آپ کے سامنے کھڑی ہے ایک بادشاہ کی لڑکی ہے اسکا باپ بڑے ساز وسامان سے شکار کھیلنے جنگل مین نکلا تھا اور سیر تماشا دکھانے اسکو بھی ساتھ لایا تھا آج صبح وحشی درندون کے خوف سے سب تتر بتر ہو گئے ایسی بھاگڑ مچی کہ کسی کو کسی کی سُدھ نہ رہی۔ یہ بیچاری شامت کی ماری جنگل مین ادھر اُدھر بھٹکتی پھر رہی تھی کہ ایک شیر نے اسکا پیچھا کیا۔ اگر مین وہان موجود نہوتا تو یہ ماہرو شہزادی اُسکا لقمہ بنگئی ہوتی۔ وہ تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مین نے دیکھ پایا اور جھٹ سے کمان مین چلّہ چڑھا زہ پر تیر رکھ شست باندھکے جو مارا تو اُس موذی کے کلیجہ پر بیٹھا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ مین اگلے زمانہ مین بھی بڑا تیر افگن قادر انداز مشہور تھا۔ غرض اُس شیر کو مار کر اس غمزدہ کی مصیبت کا ماجرا مین نے اسی کے مُنھ زبانی سنا اور براہِ ترحُّم اپنے جی مین ٹھان لی کہ جسطرح بنے اسکو بآرام تمام اِسکے پدر بزرگوار کے پاس پہونچا دون۔ ہم دونون دن بھر ہر طرف سراغ لگاتے پھرے لیکن شکاریون کا کچھ پتا نہ چلا اور شاہی لشکر ہمکو کہین نہ ملا جب تکان کے مارے عاجز ہو گئے تو یہ ارادہ کیا کہ کہین امن کی جگہ ملجائے تو جا ٹھیرین۔ خوش قسمتی سے آپ جیسے مہاتما کی کُٹی نظر پڑ گئی امید ہے کہ آپ مہربانی فرما کر رات کی رات بسرام کرنے کی اجازت دینگے اور آپ کے زیر سایہ ضرور جنگلی جانورون سے پناہ ملے گی۔ اس مبارک کُٹی مین آپ کا زہد آپ کی عبادت۔ آپ کی پارسائی۔ ہماری امن وعافیت کے لیے کافی ضامن ہے اور یہ محض خدا کی عنایت ہے کہ درماندگی اور

پریشانی مین ایسی اچھی محفوظ آرام گاہ ہمکو پاگئی۔ درویش نے یہ سرگزشت سُنکر شہزادی کی مصیبت پر بہت ہمدردی ظاہر کی اور خوشی سے ٹھرنے کی اجازت دی مہمان نوازی کی راہ سے جو کچھ میسر آیا ان دونون کے سامنے حاضر کیا۔ پھر بڈھے شکاری کی شجاعت مروّت اور رحم دلی کی تعریفین کرکے اُسکو تھوڑا سا شربت دیا کہ یہ نہایت مفرح ہے بیکار شکاری نے مشکور ہوکر جھٹ پی لیا اور کوئی آدھے گھنٹے مین بیخبر سوگیا اور خراٹے لینے لگا شہزادی بھی سمٹ سمٹا کے کٹی کے ایک کونہ مین جا لیٹی۔ اسپر ایک گھنٹے کا عرصہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ درویش دبے پاؤن شہزادی کے پاس آیا اور دھیمی دھیمی آواز سے اُسکو جگایا۔ آنکھ کھولی تو سنیاسی کو دو زانو اپنے قریب بیٹھا پایا۔ پھر تو ایڑی سے چوٹی تک سناٹا نکل گیا اور غصے کے مارے تن بدن مین آگ لگ گئی۔

شہزادی۔ (حیرت زدہ ہوکر) ہین یہ کیا بات! میرے پاس آنے سے مطلب ؟

سنیاسی۔ (ہاتھ جوڑکر) شہزادی میری گستاخی معاف کر۔ مین نے ایسی دلفریب صورت اپنی زندگی مین کاہے کو دیکھی تھی تیری نظر کا جادو کس سے رُک سکتا ہے۔ جبکہ ایسا بے بہا خزانہ سامنے ہو تو صبر محال ہے۔

شہزادی۔ ارے غضب! یہ تیری پرہیزگاری۔ یہ زاہدانہ لباس محض بناوٹ۔ یہ عابدانہ صورت یہ ویدخوانی نری دھوکے کی ٹٹی تو جانتا بھی ہے کہ مین . . .

درویش (بات کاٹ کر) شہزادی بس معاف کر یہ پرہیزگاری زہر کا گھونٹ ہے جسکی تیزی و تلخی مارے ڈالتی ہے مین نے گھر کے تفکرات سے جان چراکر یہ گوشہ تنہائی اختیار کیا تھا مگر یہان جو جو تکلیف ہوتی ہے بس میرا ہی جی جانتا ہے۔ اے حسن و جمال کی متوالی۔ اے ناز و نعمت کی پالی۔ تو نہین سمجھ سکتی کہ نفس کو قابو مین رکھنا کیسی کڑی منزل ہے یہ خدا کی مہربانی ہے کہ گھر بیٹھے

اس تشنہ لب کے پاس آب زُلال کا چشمہ پہونچادیا دیکھ تیرے رخ روشن کے آگے چاندنی بھی ماند ہو
اور وہ بے وقوف بڈھا کونے مین پڑا خراٹے لے رہا ہے ایسا نشیلا شربت مین نے پلایا ہے
کہ تین دن تک بھی اسکو ہوش نہ آئیگا اے فرشتہ صفت خوبرو میرے حال زار پر رحم کرین تو
ایک نظر عنایت کا طالب ہون۔
رادھا غضب ناک ہو کر بولی او کم بخت بد ذات! یہ لفظ ابھی ختم نہونے پائے تھے کہ ستوا لا
بڈھا شکاری جو بظاہر سو یا پڑا تھا ایک خونخوار اژدہا بنکر پھنکارین مارتا اُٹھا اور بدکار نقیر کی طرف
اپنا پھن کر کے کھڑا ہو گیا اب تو نقیر کے اوسان خطا ہو گئے۔

کاٹو تو لہو نہ تھا بدن مین

گرتا پڑتا لڑکھڑاتا بھاگا اور پیچھے پھر کے نہ دیکھا۔ کرشن جی اصلی صورت مین آ گئے۔ رادھا بولین لو مین
بھی کیسی بھولی نادان ہون کہ ظاہری صورت سے دھوکا کھا گئی۔ بیشک ان ریاکاری کی
باتون سے نجات نہین ہوتی بلکہ ۔ ۔ ۔
یہ بات پوری نہوئی تھی کہ کرشن جی چلّائے رادھا رادھا! مجھے جلدی پکڑ۔ کوئی چیز نہین معلوم
کیا ہے کھینچے لیے جاتی ہے رادھا نے گھبرا کر ہاتھ پکڑ لیا مگر کچھ عجب طرح کی زبردست کشش تھی
کہ وہ تو وہ رادھا بھی اُنکے ساتھ کھنچنے لگین۔ دونون اپنے آپ کو سنبھالتے اور زور لگاتے ہین
مگر سب فضول۔ بے اختیار کھنچے چلے جاتے ہین اور کچھ خبر نہین کہ کہان کو اور کیون! اِس
مقناطیسی کشش نے رادھا کو ایسا اچنبھے مین ڈالا کہ لگین کرشن جی سے بار بار پوچھنے "آخر
یہ عجیب کرشمہ ہے کیا؟ کچھ تو بتاؤ؟ وہ بولے بتاؤن کیا؟ مین خود نہین جانتا۔ مگر ہان ایسا خیال
ہوتا ہے۔ شاید کوئی بھگت اپنے پریم کے جذب نہانی سے ہمکو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور
ظرافتہ یہ بھی کہدیا" دیکھو جی ایشر بننے مین کیسی تکلیف ہوتی ہے" انھین باتون مین

ایک باغیچہ کے اندر جا پہونچے۔ رادھا نے ادھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ نہ کوئی درویش پایا نہ کوئی عابد و
زاہد نظر آیا تو انکو افسوس ہوا البتہ دیکھا تو یہ دیکھا کہ ایک مکلف پلنگ پر نرم گدگدا بچھونا بچھا ہے
اور ایک جوانِ رعنا اُسپر لیٹا آرام کر رہا ہے۔ پانچ نوجوان عورتین ہین نیم تن برہنہ جو اُسکی
خوشی خاطر کے لیے رقص و سرود مین مشغول ہین۔ پھر تو رادھا سے نہ رہا گیا۔ کرشن جی سے
طنزاً کہہ اُٹھین "بس جی بس! دیکھے آپ کے بھگت! کیا اسی شخص کے جذب محبت کا یہ
زور شور تھا"۔ کرشن جی نے یون ہی چلتا سا جواب دیدیا" ذرا ٹھیرو۔ دیکھو"۔ غرض انکی آہٹ
پاتے ہی۔ وہ نیم تن برہنہ کنواریان تو لجاتی شرماتی جھٹ پٹ ادھر اُدھر ہو گئین! اور وہ شکیل
جوان اپنے بستر سے اُٹھ نہایت خوش خوش انکی طرف لپکا اور سر تسلیم جھکا کر یون کہنے لگا۔
"میرے مالک میرے معبود! تو بڑا ہی برکت والا ہے۔ میرا نکمّا دل تیرے قیام کے لیے
حاضر ہے۔ تیرے پاک قدم میری خوشی کا باعث ہین۔ آ اور میرے دل مین نزول فرما مین
تیرے پاؤن اپنے آنسوؤن سے دھوؤنگا۔ تیری بزرگی بیحد و بے نہایت ہے۔ اُسے تو ہی
خوب جان سکتا ہے۔ میری ناتوان زبان چاہتی ہے کہ تیری صفت و ثنا کرتے کرتے فنا
ہو جائے اور مین تیرے جلال باکمال پر جی جان سے قربان ہو جاؤن۔ اگر تیری بزرگی کو
بڑے گہرے سمندر سے مثال دون تو یہ بچون کا سا خیال ہے۔ سورج چاند اور انیہر کے تارے
یہ اُس سمندر کے ادنٰے بلبلے ہین۔ پانی اور آگ کے طوفان اُسکی ادنیٰ لہرین ہین۔ کیا آسمان
کیا سمندر کیا پہاڑ جنکو ہم اپنی نادانی سے بہت بڑا سمجھ رہے ہین وہ سب تیری بزرگی کے آگے
ایک ناچیز قطرہ سے بھی کم ہین۔ تیری بزرگیون کا بھید سمجھنے سے دیوتا بھی عاجز ہین۔ میری کمزور
آنکھین تیری چتون اور مکھڑے کی خوبی دیکھکر آسمان کے ستارونکے مانند کھلی کی کھلی رہجاتی ہین
اے مہاراج! جب تک مین تجھسا ہی نہو جاؤن تجکو کیونکر جان سکتا ہون۔ وید کہتے ہین تو

سرب روپ ہے پھر بھی نراکار ہے۔ سراسر حرکت ہے پھر بھی غیر متحرک ہے۔ بالکل نام ہے پھر بھی
بے نام۔ تمامتر مکان و زمان ہے۔ تاہم لامکان ولازمان ہے۔ تو بڑے سے بڑا اور چھوٹے
سے چھوٹا ہے۔ تو اب تو مجھے انسانی شکل مین نظر آتا ہے لیکن جب تیری اصلی شان کا تصور
کرتا ہون تو اُسے بڑے سے بڑا پاتا ہون۔ تمام ستارے۔ سمندر۔ دریا۔ پہاڑ۔ انسان
حیوان۔ تیری ایک انگلی کی صنعت مین۔ جب تیری ذات پاک کو مشاہدہ کرتا ہون تو یہ کل کائنات
ہیچ در ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ صرف ابدی نور ابدی علم ابدی سرور باقی رہجاتا ہے۔ اے میرے معبود!
جیسا کہ تو ہے مجکو اپنا علم عطا فرما تا کہ مین تجکو سمجھ سکون اور تیری پرستش کر سکون"
یہ کلمات اُس جوان کے ہون پر تھے کہ باطنی کشش نے سری کرشن جی مہاراج کو اُس سے
بغلگیر کر دیا۔ اس موقع پر رادھا کو ایک لمعۂ نور نظر آیا جسمین کل ارض وسما اسطرح تیرنے لگے
جیسے آفتاب کی شعاعین ذرے۔ آخر کار اُس نور کے دریاے ناپیدا کنار مین وہ دونون
صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئے نہ سری کرشن جی باقی رہے نہ وہ جوان ۔

چون فناے عشق آرد اشتلم	ہر دو گردد عاشق و معشوق گم

رادھا کو اس عجیب و غریب تجلی مین اُس لازوال نور کے سوا جسکے آگے مہر و ماہ کی روشنی
بھی تاریکی سے زیادہ نہ تھی ایک عالمگیر بے صدا راگ سنائی دیا اور ایک بے حد سرور حاصل ہوا
جسمین اُسکے تمام خیالات محو ہو گئے۔ جب اس خواب نما نظارہ سے جاگی تو اپنے آپ کو
اپنے محل کے اندر پیارے کرشن جی کے پہلو مین پایا ۔

باکہ خفتی وز چہ پہلو خاستی	کہ چنین پر جوش چون دریاستی

رادھا بے اختیار بولی۔ ہان۔ اے ساحرون کے ساحر! آپ نے عملاً جتا دیا بلکہ آنکھون سے
دکھا دیا کہ اصلی ترک کیا ہے۔ وہ جورو بچون سے بظاہر الگ ہو بیٹھنا نہین ہے۔ وہ بستی

اور مکان کو چھوڑ پہاڑون کی گپھاؤن مین جا چھپنا نہین ہے۔ وہ عورتون کے راگ رنگ سے بچکر پرندون کے نغمات دلربا سننا نہین ہے۔ بلکہ اصلی ترک محض دل سے علاقہ رکھتا ہے نہ کہ جسم سے۔ کیونکہ جسم تو جب تک قائم و برقرار ہے طبعی اشیا سے اُسکو چھٹکارا ہو نہین سکتا پس جو عالم کہ قابل ترک ہے وہ بیرونی نہین بلکہ اندرونی ہے یعنی ہوا و ہوس سے دل کا متحرک ہونا یہی اصلی عالم ہے اور اسی کا ترک واجب ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
آب در کشتی ہلاک کشتی ست — آب خود در زیر کشتی پشتی ست

تجکو دیکھنا اور تمام علائق کو تیری مرضی پر چھوڑ دینا۔ اُنمین ہونا اور عین اُسی دم اُن مین نہونا تجکو پانا ہے۔ اور اس خوشی مین تمام نام و روپ کو بھول جانا بس یہی اصلی سنیاس ہے ؎

در راہ تو رو دارند از خویش نہان ماندہ — بے جسم و جسد گشتہ بے نام و نشان ماندہ

غدار سنیاسی نے دنیوی علائق کو جسم سے چھوڑا مگر دل سے پکڑا اسلیے آپ کو نہ پہچان سکا اور خوف کھا کر بھاگ نکلا عیش پسند جوان دل سے تارک و آزاد تھا۔ گو ظاہرا سامان عیش سے گھرا تھا مگر آپ کے پاس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی طرف آپ کو کھینچ لیا اور آپکے جلال مین محو ہو گیا۔ سنیاسی درحقیقت وہی ہے جسنے کل تعلقات کو دل سے مٹا دیا نہ مین رہا نہ میرا جسنے برہم مین پناہ لی اور جسکا عمل اور عقیدہ اس مسئلۂ عظمی پر ہے کہ یہ تمام برہم ہے کثرت کوئی چیز نہین۔ وہ خود برہم ہے اور وہ اسی دنیا کے اندر بلا تکلف دائمی سمادھی (استغراق) مین رہتا ہے وہی تعظیم و تکریم کے لائق ہے۔ وہی اصلی یوگی حقیقی سنیاسی اور سچا برہم گیانی ہے ؎

طالب حق بے نشان چون حق شود — قید را بگذارد و مطلق شود

روشن لال! ایک حالت تو تمھاری وہ تھی کہ دنیا سے ایسی چسپیدگی کہ روح کا خیال تک نہ ارو بلکہ اُسکے وجود ہی سے انکار محض ایک حالت یہ ہے کہ دنیا اور مکروہات دنیا پر لات مارنے کو تیار بیٹھے ہو۔ سنو بیٹا! ہر فضیلت کے لیے دو رزیلتین ہوتی ہین۔ ایک کمی کی طرف ایک زیادتی کی طرف مثلاً شجاعت ایک فضیلت ہے۔ اُسمین کمی ہو جائے تو جبن ہے یعنی نامردی۔ اُسمین زیادتی ہو جائے تو تہور ہے یعنی اندھا دھن مردانگی۔ اور یہ دونون رذیلتین ہین۔ کفایت شعاری بھی ایک فضیلت ہے اور کمی بیشی کے لحاظ سے اُسکے مقابل بخل اور اسراف دو رزیلتین ہین۔ اسی پر قیاس کرلو کہ ترک و تجرید بھی ایک فضیلت ہے اب اُسکے مقابل کی دو رزیلتین کیا ہین؟ یہ ہی دنیا سے غایت درجہ کی چسپیدگی یا محض قطع تعلق۔ پس عقل تو یہ ہی پسند کریگی کہ رزائل سے بچو اور فضیلت کو اختیار کرو۔ اسی مین انسان کی صلاح و فلاح ہے ہان جی تمنے تو گیتا پڑھی ہے۔ یہ بات یاد ہوگی۔ کہ جب اَرجن نے سری کرشن جی سے پوچھا ہے کہ دل جو ہوا کی طرح متحرک ہے کیونکر یکسو ہو سکتا ہے؟ تو مہاراج نے جواب دیا کہ واقعی دل کی یہی حالت ہے۔ مگر وہ ویراگ اور ابھیاس سے قائم و مستقل ہو جاتا ہے۔ دل کی تین حالتین ہوتی ہین۔ ایک تو طرح طرح کے خیالات سے بے چین رہنا اس حالت کا نام انتشار ہے۔ دوسرے ایک خیال مین مستغرق رہنا اسکا نام اطمینان ہے تیسرے غافل و بے خبر رہنا اسکا نام مدہوشی ہے اُنمین صرف اطمینان فضیلت ہے باقی رزائل۔ اب پوچھو کہ ان رزائل سے بچنے کی سبیل کیا؟ سو انتشار تو ویراگ سے دور ہوتا ہے۔ ویراگ کے معنی ہین راگ یعنی تعلق کا دور ہو جانا اور تعلق کی دو صورتین ہین۔ یا رغبت سے پیدا ہوتا ہے یا نفرت سے چنانچہ شاعر کہتا ہے

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے	کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

دل کی حالتیں
انتشار
اطمینان
مدہوشی

مطلب یہ کہ عداوت بھی بغیر تعلق کے نہین ہوتی۔ پس دنیا سے نہ اتنی رغبت چاہیے کہ اُسی کے ہو رہو۔ نہ اتنی نفرت کہ ہردم اُس سے بھاگتے پھرو۔ ہان بیچ کی راہ اختیار کرو۔ بس یہی اصلی ویراگ ہے۔ مگر دل کا بھی عجب حال ہے جہان ترک کی باگین کرٹھی پکڑین اور رغبت و نفرت دونون سے روکا تو دنیا کی طرف جانے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ اس صورت مین انتشار تو رفع ہوا لیکن اُسکے رفع ہوتے ہی دل مدہوشی و بیخبری کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسا انتشار سے روکنا ضروری تھا ایسا ہی مدہوشی سے روکنا بھی واجب ہے۔ اُسکا علاج شغل ہے اور شغل کا طریق یہ ہے کہ دل ایک خیال مین مستغرق رہے مگر مدہوشی نہ آنے پائے ؎

پس ترا مشغولیے باشد درون	کہ نہ پردازی ازان سوی برون
گر مراقب باشی و بیدار تو	ہر دمے بینی جزاے کار تو

یہی مضمون شاسترون مین اس طور پر بیان ہوا ہے "آدمی جب عبادت مین مصروف ہونا چاہے تو پہلے رجوگن اور تموگن کو دور کرکے ستوگن مین دل کو قائم کرے۔ کیونکہ جب تک ان دو نقصون سے پاک صاف نہ ہوے دل لائق عبادت نہین ہوتا"

ہان تو روشن لال! تم اپنی موجودہ حالت ہی مین رہکر ترک اور شغل کے ذریعے سے یکسوئی حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اپنے آپ کو سنیاسی سمجھو اور سچ پوچھو تو اصلی سنیاس یہی ہے ؎

گر ہزاران دام باشد ہر قدم	چون تو با مائی نباشد ہیچ غم

یہی وجہ تو ہے کہ شام سویرے دو دو گھنٹے سندھیا کرنی دیدون مین انسان کا فرض قرار دیا ہے۔

بیٹا! ذرا غور تو کرو۔ یہ بڑھیا مان۔ یہ جوان بیوی۔ یہ ننھے ننھے بچے جنکی کل امیدین تمھارے دم قدم سے وابستہ ہین۔ اگر تمنے ایسا سنیاس لیا جیسا کہ تم سمجھے بیٹھے ہو تو ان بیچارون پر کیا بپتا بیتے گی۔ اچھا فرض کرو کہ تمنے ان چند جانون کو مصیبت کے بھاڑ مین

جھونک کر اپنے لیے نجات حاصل کرہی لی (جو محال عقل ہے کیونکہ اُس ذات پاک کا قرب جو ارحم الراحمین ہے بیرحمی سے حاصل ہونا معلوم!) اور خودغرضی کی راہ سے مُکتی کی منزل کو پہنچنا خیر صلاّ! تو ہمارے نزدیک بلکہ دنیا جہان کے نزدیک ایسی نجات سے گرفتاری بدرجہا اولےٰ ہے

جائے ہے جی نجات کے غم مین	ایسی جنت گئی جہنم مین

حکایت۔ جُدھشٹر جب سرگ لوک (بہشت) کو جانے لگے تو دھرم راج امتحاناً کُتے کی صورت پکڑ اُنکے ساتھ ساتھ ہو لیے۔ چلتے چلتے جب ایک خاص مقام پر پہونچے تو بِمان (ہوائی مَرکب) انکی سواری کے لیے نازل ہوا اور کہا گیا کہ اسپر سوار ہو کر سرگ کو تشریف لے چلیے۔ تو وہ اپنے رفیق سفر یعنی کتے سمیت چلنے کو تیار ہوے۔ اُسوقت حکم ہوا کہ کتا سرگ مین داخل نہین ہوسکتا۔ تو جدھشٹر نے اپنے جانے سے بھی صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہمت وحمیت گوارا نہین کرتی اور نہ دھرم اجازت دیتا ہے کہ جسنے اپنا آسرا لیا ہو اُسکو ادھر مین چھوڑ جائین اور اپنی خواہش پوری کرین۔

حکایت۔ مہاراج بدھ دیوجی کی تپسیا (ریاضت) جب پوری ہو چکی اور نروان (نجات) مین جانے کا وقت آگیا تو خیال آیا کہ جب کل بنی نوع انسان تکلیف مین مبتلا ہین تو اکیلا مین نروان مین جا کر کیا خوش ہونگا اس خیال کے آتے ہی جانے سے انکار کیا اور کہا کہ جو ہو سو ہو مین اسی عالم مین سب کے شریک حال رہکر سب کے نروان کے لیے کوشش کرونگا۔

سنو جی! کل سٹھانی زار زار روتی میرے پاس آئی اور کہنے لگی جانے میرے بچہ کو کیا ہو گیا! سوامی جی کچھ ایسی دیا کرو کہ وہ بھلا چنگا ہو جائے نہین تو یہ غم مجکو کھا جائیگا۔ اُس بیچاری کو

بے غرضانہ محبت مادری نے کیسا بیتاب کر رکھا ہے کہ تمپر جان دیتی ہے حالانکہ تم اپنی خودغرضی سے اُسپر ایک مصیبت ڈھانے کو آمادہ بیٹھے ہو ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہمنے تمکو دل دیا تمنے ہمین رسوا کیا	ہمنے تمسے کیا کیا اور تمنے ہمسے کیا کیا

روشن لال! کیا تمھارے دل مین رحم و محبت کا انس نہین رہا اتنا کہنا تھا کہ روشن لال کا جی بھر آیا اور بے اختیار رو پڑا۔ جب دل کی بھڑاس نکل چکی تو آنسو پونچھ پانچھکر بولا سوامی جی! مین سخت غلطی پر تھا آپ نے سچ فرمایا کہ بے رحمی اور خودغرضی سے مُکتی ہرگز ہرگز حاصل نہین ہوسکتی اور بفرض محال ہو بھی تو ان شرائط پر ہمت عالی کب پذیرا کر سکتی ہے۔ بس اب تو مین نے یہ بات گرہ باندھ لی اور خوب جی مین ٹھان لی کہ آئندہ آپ کی ہدایتون پر عمل کرونگا۔ چنانچہ اگلے دن سے بدستور سابق اپنے کاروبار کے دیکھ بھال مین مصروف ہو چلا سندھیا پوجن کا پابند ہو گیا اور اپنے بال بچون مین خوش و خرم رہنے لگا۔ اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سچی اور خالص محبت جو اپنے غرض و مطلب کے لیے نہو عین عبادت ہے

یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان	کہ دنیا مین کام آئے انسان کے انسان

فصل سوم

قیود مکان و زمان

جب تیسرا پہر ہونے آیا تو سوامی جی نے فرمایا۔ چلو جی منزل سطے کرین جتنا رستہ کٹے سو بہتر جو قدم اُٹھے سو غنیمت۔ مین فوراً کمر باندھ کے ساتھ ہو لیا۔ کوئی چار پانچ کوس چلے ہونگے کہ شام ہو گئی۔ سر راہ ایک درخت کے نیچے جا ٹھرے۔ وہین رات بسر کی صبح سویرے سویرے پھر چل پڑے۔ جب پہر سوا پہر دن چڑھ گیا تو ایک پیڑ کے سایہ مین دم لیا

اور ندی کنارے اشنان کرکے جھاڑی جھنڈیون مین سے کچھ پھل توڑ تاڑ کر کھا لیے چلو بھر پانی
پیا شکم سیر ہوگیا اب بخنت ہو کر سوامی جی ایک طرف لیٹ گئے اور بولے۔ لو آج تمہارے اس
سوال کا جواب دیتا ہون۔ کہ وہ قیود کیا ہین اور کیونکر دور ہو سکتی ہین؟ تم دیکھتے ہو کہ آگ کے
شعلہ مین روشنی اور حرارت دونون ساتھ ساتھ موجود ہین بلکہ دونون ایک ذات ہو کر شعلہ
کی صورت مین نمودار ہوتی ہین۔ اِسی طرح ست۔ چت اور آنند تینون ساتھ رہتے اور کبھی
ایک دوسرے سے جدا نہین ہوتے البتہ اُنکا ظہور جس ظرف مین ہوتا ہے اُس ظرف کی
حیثیت سے جداگانہ رنگ ڈھنگ کا ہوتا ہے۔ مثلاً تم ایک پتھر شعلہ کے مقابل رکھدو تو
اُسمین صرف گرمی محسوس ہوگی روشنی ظاہر نہو گی کیونکہ وہ شفاف نہین ہے۔ اگر پتھر کے بجاے
شیشہ ہو تو اُسمین روشنی اور گرمی دونون کا ظہور برابر ہوگا۔ بس اسی پر قیاس کرلو کہ جمادات اور
نباتات مین محض ست کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ اُنمین صرف اُسی کے ظہور کی صلاحیت ہے۔
ادنےٰ درجہ کے جانورون مین ست کے ساتھ کچھ کچھ چت کی جھلک بھی پڑتی ہے۔ اعلےٰ
درجہ کے حیوانون اور عام انسانون مین ست چت آنند تینون کا جلوہ نظر آتا ہے مگر محدود
وناقص۔ البتہ خاص انسان ہین جنکو کاملین کہتے ہین وہ سچدانند کے مظہر کامل ہین۔
کسی نے خوب کہا ہے ؎

کہ بچشمان دل مبین جز دوست		ہر چہ بینے بدانکہ مظہر اوست

الغرض سچدانند کا ظہور ظرف یعنی مظہر کی صفائی پر موقوف ہے۔ اب تم ایک گل کا تصور
کرلو جو نہایت صنعت کے ساتھ بنائی گئی ہے۔ اسمین کاریگر نے چند شیشے اوپر تلے ایسے
تعبیہ کیے ہین کہ پہلا تو نہایت صاف شفاف ہے۔ دوسرا کچھ مدہم تیسرا اُس سے بھی ملگجا۔
یہان تک کہ سب سے پچھلا بہت دُھندلا ہے۔ اور یہ گل اس انداز سے رکھی ہے کہ پہلا شیشہ

ٹھیک آفتاب کے مقابل ہے جسپر براہ راست روشنی وحرارت پہونچتی ہے۔ اُسمین سے گزرکر دوسرے شیشہ مین پڑتی ہے پھر دوسرے سے تیسرے مین۔ اسی طرح بتدریج آخری شیشہ تک نمودار ہوتی ہے۔ اب تم آخری شیشہ کو دیکھو تو روشنی دُھندلی حرارت بھی دھیمی پاؤ گے اُس سے اوپر والے کو دیکھو تو روشنی ذرا چٹکیلی حرارت بھی ذرا تیز ملیگی۔ اسی طرح درجہ بدرجہ ہر شیشہ مین روشنی وحرارت کا ظہور زیادہ زیادہ پاؤ گے۔ حتی کہ اُس صاف شفاف شیشہ مین جو آفتاب کے زیر نظر ہے روشنی وگرمی کا ظہور بھی کامل تر ہے کہ آنکھین تاب نہ لاسکین دیکھین تو چکاچوند ہو جائے اب فرض کرو کہ ایک بہت بڑا کارخانہ ہے جسمین ایسی ایسی کلین ہزارون لاکھون کیا بلکہ بے شمار لگی ہین پھر ہر ایک کل کے شیشے صفائی وکدورت کے لحاظ سے دوسری کل کے شیشون سے مختلف ہین۔ اسی لیے ہر ایک کل کے ہر شیشے مین روشنی وحرارت کا ظہور بھی مختلف طور پر ہو رہا ہے کہین کسی درجہ کا کہین کسی درجہ کا ہر جگہ نیا رنگ نئی آن نیا جلوہ نئی شان ؎

ای ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے		گلہاے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن

اچھا! اب ان کلون کو تو ذہن سے نکال باہر کرو اور جو اصل مقصد ہے اُسی کو سمجھو۔ ان کلون سے مراد ہے حضرت انسان اور شیشے کیا ہین اجسام انسانی۔ اور آفتاب وہی سچدانند جو سب مین جلوہ گر ہے۔ دور کیون جاؤ اپنے ہی مین غور کیون نکرو کہ یہ جو سب سے آخری پردہ ہے یعنی جسم خاکی اسمین سچدآنند کا ظہور کیسا تاریک حالت مین ہے۔ زندگی ہے تو چند روزہ۔ علم ہے تو محدود۔ سرور ہے تو ناپائدار۔ پھر یہ بھی مسلم ہے کہ نسل انسانی ایک سانچہ مین اینٹون کی طرح نہین ڈھالی گئی بلکہ اُسکے بیرونی پردہ کی ساخت صفائی اور قوی کی طاقت وتوانائی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسلیے سچدانند کا ظہور بھی نوع بشری مین رنگارنگ نظر آتا ہے کسی کو عمر طویل نصیب ہوتی ہے۔ کوئی علم

وفضل مین برتر ہے۔ کوئی مسرت وخوشدلی مین اعلیٰ ہے۔ بہرحال ہم دیکھتے ہین کہ
ہم بذریعہ جسم کثیف کے مکان وزمان کے زندان تنگ مین مقید ہین اور یہ قیود حصول
علم کے سخت مانع ہین۔ ہم نہین دیکھ سکتے کہ اس دیوار کے پرے کیا ہو رہا ہے۔ ہم کچھ
نہین جانتے اب سے پانچ منٹ بعد کیا ہونے والا ہے۔ ہان اگر ان قیود کا حجاب
درمیان سے اُٹھ جائے اور دور ونزدیک ماضی و مستقبل ایک ہوجائے تو بیشک علم کل بھی
حاصل ہوجائے۔ دور ونزدیک کے واقعات اگلے پچھلے حادثات بلکہ کوئی راز قدرت ہم پر پوشیدہ
نہ رہے۔ اور علم کل کے لیے ہستی لازوال وسرور دائمی لازم ٹھہرا تو کچھ شبہہ نہین کہ علم کل
حاصل ہو تو ہم سچدانند ہوجائین۔ دراصل یہی قیود ہین جو ہمارے سچدانند ہوجانے کی
سدّراہ بن رہی ہین۔ یہ مانا کہ ریل وتار کی ایجاد سے طول مکان وزمان مین کمی ہوگئی۔
مگر یہ کمی بھی کچھ کمی ہے۔ آخر ریل مین سو میل قطع کرنے کو کم از کم ایک گھنٹہ تو چاہیے اور
اسپر بھی بیرونی اشیا کے محتاج اگر یہ قید بالکل اُٹھ جائے تو چشم زدن کی دیر بھی نہ لگے۔

ہان تو یہ مکان وزمان کی قیدین جسقدر اس بیرونی پردہ مین ہین نسبتہً دوسرے پردہ
مین بہت کم ہین۔ اُس دوسرے پردہ کا نام ہے سُپن یعنی عالم خواب۔ دیکھو اُس عالم کے
اندر ہم کتنے تھوڑے عرصہ مین بہت سے مقامات اور بہت سارے واقعات دیکھ لیتے
ہین جنکے دیکھنے کو جسم کثیف ایک بڑی مدت چاہتا۔ اسپر بعض صاحب یہ اعتراض کر سکتے
ہین کہ خواب تو ایک خیالی سوانگ ہے آنکھ کھُلی اور نظرون سے غائب۔ نہ کہین آئے
نہ کہین گئے۔ اُسوقت کے محسوسات عالم بیداری مین کچھ وجود نہین رکھتے۔ اس اعتراض کا
جواب یہ ہے کہ جیسے خواب کی باتین بیداری مین لاشے معلوم ہوتی ہین ویسے ہی بیداری کا
ہنگامہ خواب مین بھولا بسرا ہوجاتا ہے تو ان دونون حالتون مین سے کسکے محسوسات کو صحیح

مانین کسکو غلط ۔ کسکو اصلی سمجھین کسکو عارضی ۔ شاید یہ کہو گے کہ جاگرت یعنی بیداری کی محسوسات پائدار و مستقل ہین ۔ ہم اُنکو اپنے حواس سے معلوم کرتے ہین اسلیے اُنکے وجود مین شک و شبہہ باقی نہین رہتا ۔ یہ بات مانی ۔ لیکن خواب مین بھی تو حواس ہی کام کرتے ہین اسلیے اُسوقت کے معلومات و محسوسات بھی مشکوک و مشتبہ نہین ہوتے ۔ رہی یہ بات کہ خواب کے محسوسات بیداری کی طرح دیرپا نہین بیشک نہین ۔ اور نہ اُنکو دیرپا ہونا چاہیے کیونکہ جو معاملات اس عالم ظاہر کے اندر برسون مین طے ہوتے ہین وہان لمحون مین گزر جاتے ہین ۔ اور یہ مکان و زمان کی قیود کم ہو جانے کا نتیجہ ہے ۔ بس یہی فرق ہے خواب و بیداری مین ۔ ہان ایک فرق اور بھی ہے کہ خواب مین بیداری کا سا اختیار حواس و محسوسات پر ہمکو نہین ہوتا اس کا سبب یہ ہے کہ ہمنے اُس عالم سے ایسی مناسبت پیدا نہین کی ہے جیسی کہ عالم بیداری سے ۔

خواب کئی قسم کے ہوتے ہین ایک تو خواب پریشان جنمین بہت سے معاملات بے ترتیب نظر آتے ہین ۔ یہ عوام الناس کے خواب ہوتے ہین دوسری قسم کے خواب وہ ہین جنمین آیندہ یا گزشتہ معاملات خواہ کسی جگہ کے ہون ہو بہو معلوم ہو جاتے ہین ۔ چنانچہ بعض صاحبون کو تجربہ ہوا ہوگا کہ جو خواب مین دیکھا تھا وہی وقوع مین آیا ۔ ایسے خواب نیک اور سچے لوگونکو بیشتر نظر آتے ہین ۔ تیسری قسم کے وہ خواب ہین جنمین بزرگون اور کاملون کی زیارت اور اُنسے ہدایت حاصل ہوتی ہے ۔ ایسے خواب اعلےٰ درجہ کے ملکوتی صفات انسانونکو ہوا کرتے ہین ۔

الغرض عالم ملکوت اس عالم ناسوت کا ایک لطیف مثنیٰ یا نقشہ ہے اسی لیے اُسکو عالم مثال بھی کہتے ہین جو واقعات دنیا مین ہونے والے ہین وہ ملکوت مین پہلے سے ہو چکتے ہین ۔ اسلیے بعض واقعات عالم ناسوت مین واقع ہونے سے پیشتر خواب مین معلوم ہو جاتے ہین ۔ ورنہ جو امر ظہور ہی مین نہ آیا ہو اُسکا علم کیسا ؟ یہ بھی یاد رکھو کہ روحانی ترقی

پہلے خواب ہی سے شروع ہوتی ہے یعنی نیک اور سچے آدمیون کو رویاے صادقہ یعنی سچے خواب نظر آنے لگتے ہین۔ خواب سے انسان اپنے دل کی صفائی یا کدورت کا اندازہ کرسکتا ہے۔ کیونکہ خواب صفائی دل کا آئینہ ہے اور حصول سچد آنند کا دروازہ۔

تیسرا اندرونی پردہ وہ ہے جسکو سُشپتی (خواب غفلت) کہتے ہین۔ جب ہم خوابِ غفلت سے چونکتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے آرام سے سوئے۔ اس پردہ مین ہمنے آرام ضرور محسوس کیا ہے کہ جاگنے پر اُسکی یاد آئی ورنہ جو چیز ہمنے محسوس ہی نہ کی ہو اُسکو یاد کیونکر کرسکتے ہین۔ کیسا ہی دُکھ درد ہو۔ کیسی ہی بیتابی بے چینی ہو۔ اس پردہ مین پہنچتے ہی راحت وسکون سے بدل جاتی ہے۔ چونکہ سرور کا ظہور بغیر علم کے اور علم کا ظہور بدون ہستی کے ممکن نہین اسلیے سچد آنند کا ظہور اس پردہ مین یقینی ہے مگر ہم اس پردہ سے قطعی ناواقف ہین لہذا جاگنے کے بعد ہمکو وہان کے علم کی کچھ خبر نہین رہتی۔ اگر وہان علم نہوتا تو حالات سابقہ کا سلسلہ حالات مابعد سے ٹوٹ جاتا یعنی خواب سے پیشتر کے حالات بالکل یاد نہ رہتے۔ علم مقناطیس کے ذریعہ سے کچھ کچھ حالات اس پردہ کے معلوم ہوئے ہین۔ معمول جب اس حالت مین لایا جاتا ہے تو فوراً وہان کے صحیح حالات بیان کرنے لگتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہان مکان وزمان کی قیود نہایت کم ہوجاتی ہین اور چونکہ وہ پردہ نہایت لطیف ہے اسلیے وہان کا علم بھی بہت صحیح ہوتا ہے۔ اور چونکہ سچد آنند کا ظہور اور پردون کی نسبت اسمین بدرجہا زیادہ ہے اسلیے اسقدر سرور حاصل ہوتا ہے کہ معمول بسا اوقات وہان سے واپس آنا نہین چاہتا۔ لیکن ایسے معمول کمتر دستیاب ہوتے ہین جو عالم جبروت تک پہونچ سکین۔ بیشتر ایسے ہی ملتے ہین جنکی رسائی صرف ملکوت تک ہوتی ہے اور وہین کے حالات بیان کرسکتے ہین۔

یون توہم روزمرہ ان تینون حالتون یا پردون مین گزرتے ہین۔ مگر ہمنے بیرونی پردہ سے ایسا قوی ارتباط پیدا کرلیا ہے کہ بس اسی کے قوانین سے واقف ہین۔ باقی دو پردون سے نہایت کم کیونکہ اُنمین جو ہم پہونچتے ہین تو بے اختیار پہونچتے ہین۔ البتہ اُنکی طرف ہماری توجہ پوری پوری ہو تو پھر اُنکے قوانین سے بھی ایسا ہی وقوف اور ایسا ہی فائدہ حاصل کرسکتے ہین جیسا کہ عالم ناسوت کے قوانین سے۔ چنانچہ جنگلی وحشی آدمی جنکو اس دنیا کے قوانین سے کم واقفیت ہے اُنکو اس عالم کے اشیا پر بہت کم اختیار و قابو حاصل ہے حالانکہ علوم مادی کے جاننے والے انھین اشیا سے صدہا قسم کے کام لیتے اور فائدے اُٹھاتے ہین ریل تار وغیرہ صنعتین صرف واقفیت ہی کی بدولت جاری ہین۔ پس اُن پردون مین ناواقفیت نے ہمکو بھی وحشیونکی طرح بے اختیار و بے بس کررکھا ہے اگر بیرونی پردہ کے مانند اُن پردون پر ہمکو قدرت حاصل ہوجائے اور باختیار خود اُنمین جاسکین تو اُنکے قوانین سے بہت فائدے اُٹھا سکتے ہین اور ہمارے علم و سرور کو بہت ترقی و وسعت ہوسکتی ہے۔

جب انسان تیسرے پردہ سے گزرکر چوتھے پردہ تُریا یعنی عالم لاہوت مین پہونچتا ہے اُسکا علم و سرور تحریر و تقریر مین نہین آسکتا۔ ایسے شخص کو جیون مُکت کہتے ہین۔ فقرا مین جو کشف و کرامت دیکھی جاتی ہے وہ قانون قدرت کے خلاف نہین ہے بلکہ اُن قوانین کے مطابق ہے جنسے ہم ناواقف ہین۔ کشف کے معنی ہین کھلنا پس فقرا کو وہ پردے کُھل جاتے ہین۔ جو ہمکو سردست بند ہین۔

انسان کے ہر پردہ مین دو جز ہوتے ہین ایک جز تو جسم ہوتا ہے دوسرا جز اُس جسم مین سچدانند کا ظہور۔ اور اسی ظہور کا نام روح ہے۔ اجسام کی اصلیت پانچ عناصر یعنی خاک باد آب آتش اور خلا ہے اسلیے کل اجسام ان پانچ عناصر کی طرف رجوع کرتے ہین۔ اور

روح کی اصلیت ہے سچدآنند پس روح ہمیشہ سچدآنند کی جانب رجوع کرتی ہے

تن بعشق خاربن چون ناقہ	جان بہ ہجر عرشش اندر فاقہ
در زدہ تن در زمین چنگالہا	جان کشاید سوے بالا بالہا

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سچدآنند کے حصول کی قابلیت صرف روح مین ہے نہ کہ جسم مین کیونکہ جسم کی اصلیت اور ہے۔ پس روح ہی انسان کا اصلی جز ہے یا یون کہو کہ درحقیقت روح ہی انسان ہے اور جسم اُسکے لیے بطور غلاف ہے۔ اور بوجہ قیود مکان و زمان صرف ان پردون مین تمام جہل و رنج و تکالیف ہین نہ کہ روح مین جو نور الٰہی و سرور دائمی ہے

جسم ظاہر روح مخفی آمدست	ہمچون آستین جان ہمچو دست
ہر گرانی و کسل خود از تن ست	جان زخفت جملہ در پریدن ست
آب صافی در گلے پنہان شدہ	جان باقی بستہ ابدان شدہ
قابل تغییر اوصاف تن ست	روح باقی آفتاب روشن ست

جسطرح روح کا تنزل ان پردون مین یکے بعد دیگرے ہوا ہے اسی طرح اُسکو واپس لیجا کر اُسکے مرجع اصلی پر پہونچایا جائے تو سچدآنند جو انسان کی اصل ہے اُسکو کیون نہ حاصل ہو

مرو بیرون زخود تا وصل بینے	تو اصلی شاید از خود اصل بینے

انسان کے ہر پردہ مین اجتماع روح و جسم سے ایک انانیت یا خودی پیدا ہوتی ہے اور اُسی پردہ کے مطابق ایک بیرونی عالم ہوتا ہے جسکو انسان اپنے حواس سے محسوس کرتا ہے۔ عارف و جاہل مین صرف اتنا فرق ہے کہ عارف کی انانیت روح مین ہوتی ہے اسلیے وہ تعینات و تعلقات مین نہین پھنستا مگر جاہل کی خودی جسم مین ہوتی ہے اسلیے وہ علائق جسمانی مین مبتلا ہو کر طرح طرح کی تکلیفین اُٹھاتا اور

حصول مدعا سے باز رہتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جبتک یہ خودی دور نہوگی حصول مدعا ناممکن ہے

جادۂ راہِ بقا غیر از فنا ملتا نہین	ہے خودی جبتک کہ انسان مین خدا ملتا نہین
زجانان تا بتو رہ نیست بسیار	درین رہ مر خودی تست دیوار
اگر از خود بمیری آخر کار	حجاب اینجا تو برداری بیک بار
اگر از خود بمیری یک دمے تو	نہی بر ریش جانت مرہمے تو
گزر کن زین فضول و یار خود جوی	درونِ جان خود دیدار خود جوی
ترا جانست واز جان می چہ جوئی	کہ تو باا و وا و با تو۔ تو او ئے
تو اوئی لے ندیدہ وصل او تو	بماندہ چون پیازے تو بتو تو
بکن ترک ہمہ تا دوست گردی	چرا چندین بگرد پوست گردی
اگر تو ترک خود گیری خدائی	چرا چندین تو در چین بلائی

جب سوامی جی یہ کہکر خاموش ہوئے تو مین نے عرض کیا کہ آپ کی اس فیضرسانی کا شکریہ کسی طرح ادا نہین ہو سکتا بس اب مین خوب سمجھ گیا کہ قیود مکان و زمان ہمارے سچدآنند ہونے مین مانع ہین۔ اور یہ قیود انسان کے ہر پردہ مین کم و بیش رہتی ہین۔ اور جبتک خودی دور نہو انسان مقصود اصلی سے محروم رہتا ہے۔ ہان تو جناب مین یہ جاننا چاہتا ہون کہ خودی دور ہو تو کیونکر ہو۔ کچھ اسکا بھی علاج بتایئے۔ فرمایا کہ اچھا اسکا جواب پھر کبھی دینگے۔ اب تو یہان کا قصہ یہین رہنے دو۔

اگلے روز وہی معمولی اشنان کرنے اور پھل پھلاری کھانے کے بعد دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایہ مین سوامی جی آرام کر رہے تھے فرمانے لگے لو تمکو ایک اور سفر کا حال سناتے ہین۔

فصل چہارم

سوامی جی کا سفرنامہ

ایک بار چلتے پھرتے نربدا ندی کی گھاٹی مین اتفاق سفر ہوا۔صبح کا سہاونا وقت تھا۔
بسنت رت۔موسم خوشگوار ہوا مین اعتدال پھر دریا کا کنارہ اور قدرتی باغ و بہار کا نظارہ
جا بجا چھوٹی چھوٹی خوشنما پہاڑیان سبزے اور بیل بوٹون سے لدی گویا سبز پری بنی کھڑی
تھین اِس انتظار مین کہ آفتاب اپنی کرنون کے سنہری موباف سے اُنکی چوٹیان گوندھے
پہاڑیون کے دامن مین اونچے اونچے تناور درخت گویا بن کے پیشوی صفین باندھے
پتھریلے دریا کے پانی کی سیریلی صدائین نہایت شوق سے کان لگائے سنتے اور کبھی
وجد مین آکر سر دھنتے تھے۔جب مشرقی افق پر سرخی چھائی اور زنگار تشین رخسار کے نقاب
اُلٹنے کا وقت قریب آیا تو درختون پر بھانت بھانت کے پرندون کا جمگھٹ ہوگیا مختلف
سُرون مین چہچہانے اور مبارک سلامت کے نغمے گانے لگے۔بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے
فرنگی ارگن کے سب پردے ایک ساتھ چھیڑ دیے ہین۔ہوا کے نرم نرم جھوکون کے ساتھ
جنگل کے رنگا رنگ پھولون اور پتیون کی خوشبو بھک بھک آرہی تھی گویا عطار قدرت نے
عطر مجموعہ کا قرابہ کھولدیا تھا جسکی مہک سے روح راحت پاتی تھی۔مین اِس عالم نشاط مین
جھومتا جھامتا مستانہ وار چلا جا رہا تھا اور کل حواس اپنے اپنے مرغوبات لطیف سے محظوظ
تھے۔البتہ بیچاری زبان ہی محروم تھی اسی واسطے وہ اُس لطف و سرور کے بیان سے قاصر ہے
غرض چلتے چلتے دوپہر ہونے کو آیا تو مین دریا کے کنارے ایک سہاونی جگہ بیٹھ
گیا۔کپڑے اُتار کے اشنان کیا اور کچھ پکے پکے پھل آس پاس کے درختون سے توڑ کر کھالیے

اور پہر بھر آرام کرکے پھر چل پڑا جب غروب آفتاب کا وقت قریب آیا تو مجکو شب گزاری کا فکر ہوا۔ اتفاق سے ایک شخص نظر آیا مین نے اُس سے پوچھا کیون میان اس جنگل مین کوئی مقام ایسا بھی ہے جہان رات کو بسرام کرنے کا ٹھکانہ مل سکے۔ بولا جی ہان بہت عمدہ جگہہ آپ کو ملجائیگی۔ یہان سے تھوڑی دور آگے چلکر سدھ بابا کی منڈھی ہے۔ بہت اچھے فقیر ہین اور بڑے دیالو۔ بس اُنکے پاس جا ٹھہرو۔ بہت آرام پاؤ گے۔ یہ سنتے ہی مین نے قدم بڑھایا اور ذرا دیر مین ایک چھوٹی پہاڑی کے پاس جا پہونچا جو دریا کے عین کنارے پر تھی اور پانی اُس سے ٹکرا کر گذرتا تھا۔ مین اُسکے بیان سے سمجھ گیا کہ سدھ بابا کی منڈھی یہین ہوگی۔ مگر وہ پہاڑی گھنے درختون سے ایسی ڈھکی ہوئی تھی کہ اوپر کی کچھ کیفیت نظر نہ آتی تھی نہ چڑھنے کو رستہ ملتا تھا ناچار درختون کی ڈالیان پکڑ پکڑ کر بدقت تمام اوپر پہونچا تو اُس کنج عافیت کو دیکھکر دل باغ باغ ہوگیا۔ چوٹی پر ایک وسیع چبوترہ ہے نہایت صاف ستھرا ہموار جسکو تین طرف سے درختون نے گھیر رکھا ہے اور ایک سمت دریا کی سیر کے لیے کھلی ہے اُسکے مقابل دو خوشنما کٹیین بنی ہوئی ہین کھلی جانب چبوترہ کے کنارے ایک چٹائی پر بیٹھے سدھ بابا دریا کی سیر دیکھ رہے تھے۔ مین جو یکایک جا پہونچا تو نہایت مہربانی سے پیش آئے۔ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور آنیکا سبب پوچھا۔ مین نے پرنام کے بعد عرض کیا کہ باباجی مین ایک مسافر ہون اگر آپ کو تکلیف نہو تو مین چاہتا ہون کہ رات کو آپ کے پاس قیام کرون صبح اُٹھکر اپنا رستہ لون۔ مسکرا کر لگے کہنے اجی مجکو تکلیف کیسی! مین بھی تم جیسا ایک مسافر ہون شوق سے ٹھہرو خوب گذرے گی جو مل بیٹھین گے دیوانے دو۔ کچھ دیر باتین کرتے رہے پھر اُٹھے اور اپنی کٹی مین سے چند پھل اور دھونی مین سے کچھ جڑین نکالکر میرے سامنے لا رکھین اور فرمایا یہ کھاؤ۔ مین نے جو اُن چیزون کو کھایا تو حیران

رہگیا کیونکہ ایسا ذائقہ عمر بھر کسی کھانے مین نہ پایا تھا مین کھاپی کر فارغ ہوا تو باباجی پھر باتین کرنے لگے۔ وہ بھی عجیب سمان تھا۔ دریا شیرین ادا سے آہستہ آہستہ بہ رہا میدان مین دودھ سی چاندنی چھٹکی ہوئی۔ درختون سے چھن چھنکر نور برس رہا۔ ہوا سرد اور معطر چل رہی چارون طرف خموشی چھائی ہوئی۔ سنسان اور ہو کا مکان۔ یہ ایسا دلکش نظارہ تھا کہ آسمان کے چند ستارے بھی ٹکٹکی باندھے اسی کو دیکھ رہے تھے۔ جب زیادہ رات گئی تو باباجی نے فرمایا لو اب آرام کرو۔ ایک کٹی کی طرف مجکو اشارہ کیا دوسری مین آپ چلے گئے۔

کوئی پہر رات رہے میری آنکھ کھلی تو اُٹھ بیٹھا اور کٹی سے باہر نکل آیا۔ دیکھتا کیا ہون کہ ایک بڑا شیر چبوترے پر بیٹھا دُم ہلا رہا ہے۔ اُسنے محبت کی نگاہ سے میری طرف دیکھا مین نے بھی اُسکو پیار کیا اور تھپکا۔ جسطرح آگ کے پاس جانے سے اجسام مین حرارت آجاتی ہے۔ اسی طرح سچے پریم کی صحبت جاندارون مین الفت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ سدھ باباکی محبت صادق کا اثر تھا کہ اس نواح کے کل ساکنین کے دل دشمنی سے پاک اور دوستی سے معمور تھے۔ پھر مین دیر تک اُس چاندنی مین چبوترہ پر ٹہلتا رہا جب صبح کی پوپھٹی تو وہ شیر اٹھکر چپ چاپ چلدیا۔ اتنے مین سدھ بابا بھی اپنی کٹی سے نکل آئے تو مین نے چلنے کی پروانگی چاہی۔ ذرا تامل کرکے بولے آج تو اور ٹھیرو کل جانا۔ یہ کہکر بیٹھ گئے اور پُرانون کے دلچسپ و نصیحت آمیز قصے سناتے رہے۔ یہانتک کہ دوپہر ہونے کے قریب آیا اُسوقت فرمایا آؤ دریا کا اشنان کر آئین۔ وہان سے اُٹھ دریا کے کنارے پہونچے تو باباجی نے رنگا رنگ پتھریان چن چنکر مجھے دکھائین کیسی سڈول خوشنما خوش رنگ کہ جنکے دیکھنے سے جی نہ بھرتا تھا۔ کسی مین سنگ موسی کی سی کلمگی سیاہی۔ کوئی بلور جیسی سفید چکیلی۔ کسی مین عقیق کی سی ڈہڈہی سرخی پھر اُنمین زنار کی طرح سفید

دھاریان پڑی ہوئین۔ بعض مین کئی کئی رنگ نمودار۔ غرض قدرت کی صناعیون کا عجیب نمونہ تھا۔ باباجی نے یہ بھی فرمایا کہ اِس نربدا ندی کے کنارے ایک ایسا مقام ہے جہان درختون مین سے گزر کر آفتاب کی شعاعین پانی کی سطح پر پڑتی اور تہ آب کے پتھرون مین اُن درختون کا عکس پیدا کر دیتی ہین۔ یہ قدرتی تصاویر ایسی خوب صورت ہوتی ہین کہ ہندوستان سے دور دست ولایتون کو بطور نمونہ عجائبات بھیجی جاتی ہین۔ گنڈکی ندی مین ایک مقام پر سالگرام کی مورتین نکلتی ہین جنکو اطرافِ ہندوستان مین لوگ پوجا کی غرض سے لے جاتے ہین۔ بعض قسم کے پتھر بطور دوا استعمال کیے جاتے ہین۔ اکثر قیمتی پتھر جیسے ہیرا پنّا لعل عقیق وغیرہ کو آدمی بطور زیور کے کام مین لاتے ہین۔ بعض پتھر ایسے ہین کہ اُنکا تعویذ بنا کر یا انگوٹھی مین نگینہ جڑ کر پہنین تو عجیب عجیب تاثیرین اُنسے ظاہر ہوتی ہین کسی سے دینداری کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ کسی سے ہمدردی۔ کسی سے حسد و بغض وغیرہ اگر انسان کو ان پتھرون کے آثار و خواص سے پوری آگاہی ہو تو بہت فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ علم باعث راحت ہے اور جہل موجب تکلیف۔ ہان غور کرنے والے غور کرین تو انھین سنگریزون مین اُس قدرت کاملہ کے کمالات کا جلوہ دیکھ سکتے ہین جو تمام عالم کو ترتیب مناسب سے چلا رہا ہے ؎

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا	موسی نہین کہ سیر کرون کوہ طور کا
در دِوار درپن بھئے جت دیکھون تت توہ	کانکر پاتھر ٹھیکری بھئے آدسی موہ

اشنان کے بعد ہم دریا سے واپس آئے تو باباجی نے ایک پھل جو بیل کی سی شکل کا تھا دھونی مین سے نکالا اور اُسکو توڑ کر ایک چوڑے چکلے پتے پر ہلایا تو اُسمین سے کچھ چانول سے نکل پڑے۔ کھانے کے لیے میری تواضع کی۔ مین نے بہت خوشی سے

کھانا شروع کیا۔ اُنکی لذت لطافت اور خوشبو بیان مین نہین آسکتی جو کھائے وہی جانے۔ مقدار مین چھٹانک بھر سے زیادہ نہ تھے۔ مین جلدی سے کھا چکا تو فرمانے لگے یہ سمجھا کہ ذرا سا لقمہ کافی نہوگا سو باباجی کا فرمانا بالکل سچ تھا۔ اُن چانولون نے ایسی فرحت اور قوت بخشی کہ ہفتہ بھر تک بھوک مطلق معلوم نہوئی اور طبیعت بدستور بشاش رہی۔

شام کو ہم دونون دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ چاند طلوع ہوا اور اپنی ٹھنڈی کرنون سے دل کو فرحت بے اندازہ دینے لگا۔ اسی عالم سرور و خاموشی مین دوسری طرف سے ایک اور چاند نمودار ہوا جسکے نور جمال نے پہلے چاند کو بھی ماند کر دیا یعنی ایک نازنین زہرہ جبین بسنتی لباس پہنے ہاتھ مین بینا لیے ہمارے سامنے آئی اور پرنام کر کے بیٹھ گئی۔ اُسکی پاکیزہ شکل و شمائل سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس عالم کثیف کی مخلوق نہین بلکہ کوئی دیوی ہے جو عالم بالا سے ہمکو محظوظ کرنے آئی ہے۔ اُسکا بھولا بھولا نورانی چہرہ اُسکی متانت اور سادگی۔ اُسکی پریم بھری چتون۔ دیکھکر دل پر ایسا پاک اثر ہوا کہ مین دنیا و مافیہا کو بھول گیا۔ گویا کہ مین سرگ مین ہون جہان دیوی دیوتا ہمیشہ پرماتما کے بھجن مین مشغول رہتے اور سرور دائمی کا حظ اُٹھاتے ہین۔ اُس سراپا ناز نے باباجی کی طرف دیکھا جسکے یہ معنی تھے کہ حکم ہو تو کچھ سناؤن۔ اُنھون نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ ہمارے مہمان ہین اجازت دین تو انکو اپنے ساز و آواز سے خوش وقت کرو۔ مین نے عرض کیا کہ گانا تو روح کی غذا ہے بشرطیکہ حقانی ہو۔ اُس دیوی نے بینا اُٹھا پہلے تو کچھ گتین بجائین جنکی خوبی سننے سے تعلق رکھتی ہے بیان مین نہین آسکتی پھر بینا پر یون نغمہ سرائی کرنے لگی ؎

نام اور روپ مین تو بھولا رے مرکھ آتما سے نلگت ٹھکان رے

توُ ہے چھید بھید سے نیارا پرمانند کی کھان رے
کہون برن کہون آشرم بن رہو کہون سو کر کھرسوان رے
وہان نہین من چیت بدھ پہونچت ہے ناباُنی ناگیان رے
بن نج روپ کے بھاس بھئے سے کبھو نہوے کلیان رے
وہان نہ دویت سُپنے ہوین بھاسے ناچند نابھان رے
دیکھ بچار سار من مورکھ تب نہ جان اب جان رے
جَون دیس کا توُ بسوتیا جانے نہ وید پُران رے
رام داس تت پد کے لکھے بن کرم کینچ لپٹان رے

کرو رے من گھر چلنے کا دھیان

ست چت آنند جہان نت بھاسین کبھو نہ ہوے اگیان
پرم شانتی پرم دیا جہان پرم پریم کی کھان
آواگون وہان نہین تاپین دیش کال نہین بھان
موت ہاتھ باندھے جہان ٹھاڑی دُکھ کو نہ کبھو گمان
چھوٹو دیس چھٹے سب بندھو نیچ دیس بندھان
جب سدھ آوے گھر اپنے کی جل دھارا انکھیان
کال کلھاڑا سر پر باجے جلدی کرو پیان
باندھو کمر کاٹ سب بندھن یاہی مین کلّیان
جھوٹو جگت بندھے تم متھیا نلکی سُوا سمان
نت مکت سمجھو اپنے کو چرنداس یہ گیان

غزل

کچھ نہیں کھلتا مجھے مین کون ہون
صورتِ حیرت ہون یا شکلِ جنون

عشق ہے سرمایۂ دیوانگی
سحر کب پاتا ہے اُسکو اور فسون

آہ طالع نے مجھے رسوا کیا
ورنہ پنہان تھا مرا رازِ درون

حسن جانان جلوہ گر ہر شے مین ہے
دیدہ مین اپنے نہین کوئی زبون

کون پا سکتا ہے مجھ گم گشتہ کو
دین ڈھونڈے آکے یا دنیائے دون

جسنے پہچانا ہے اپنے آپ کو
ہے نیاز اپنے قدم پر سرنگون

غزل

معشوق ہون یا عاشقِ معشوق نما ہون
معلوم نہین مجکو کہ مین کون ہون کیا ہون

ہون شاہدِ تنزیہ کے رخسار کا پردہ
یا خود ہی مین شاہد ہون کہ پردہ مین چھپا ہون

ہستی کو مری ہستی عالم نہ سمجھنا
ہون ہست مگر ہستی عالم سے جدا ہون

انداز ہین سب عاشق و معشوق کے مجھ مین
سوزِ جگر و دل ہون کبھی نازو ادا ہون

گوشِ شنوا ہو تو مری رمز کو سمجھے
حق یہ ہے کہ مین سازِ حقیقت کی صدا ہون

یہ کیا ہے کہ مجھپر مرا عقدہ نہین کھلتا
ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہون

اے مصحفی شانین ہین مری جلوہ گری مین
ہر رنگ مین مین مظہرِ انوارِ خدا ہون

غزل

تجھی کو جو یان جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جسکو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی مین
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

کیا مجکو داغون نے سرو چراغان | کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
اذیت مصیبت ملالت بلائین | ترے عشق مین ہمنے کیا کیا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے | ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
حجابِ رخ یار تھے آپ ہی ہم | کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا
شب و روز اے درد درپے ہون اُسکی | کسو نے جسے یان نہ سمجھا نہ دیکھا

غزل

ارض و سما کہان تیری وسعت کو پا سکے | میرا ہی دل ہے وہ کہ جہان تو سما سکے
وحدت مین تیری حرف دوئی کا نہ آسکے | آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے
قاصد نہین یہ کام ترا اپنی راہ لے | اُسکا پیام دل کے سوا کون لا سکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار | اپنی تئین بھلا دے اگر تو بھلا سکے
یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یان | دوڑے ہزار آپ سے باہر جا سکے
گو بحث کرکے بات بٹھائی پہ کیا حصول | دل سے اُٹھا خلاف اگر تو اُٹھا سکے
اطفاے نار عشق نہ ہو آب اشک سے | یہ آگ وہ نہین جسے پانی بجھا سکے
مست شراب عشق وہ بیخود ہے جسکو حشر | اے درد چاہے لائے بخود پر نہ لا سکے

غزل

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیے | پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیے
سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام | اے درد کچھ بہا دیے اور کچھ جلا دیے
ہون کشتۂ تغافل ہستی بے ثبات | خاطر سے کون کون نہ اُسنے بھلا دیے
گچھ لا دل اثر نہ مرے حال پر کبھی | ہر چند روتے روتے مین نالے بہا دیے

یارب یہ کیا خرام ہے جسنے اک آن مین	کتنے ہی مردے حشر سے پہلے جگا دیے
دونون جہان کی نہ رہی پھر خبر اُسے	دو پیالے تیری آنکھون نے جسکو پلا دیے
اے شور حشر گردش دوران سے اہل قبر	ٹک بھی نہ سونے پائے کہ وہ نہین جگا دیے
چاہو وفا کرو نہ کرو احتیار ہے	خطرے جو اپنے جی مین تھے وہ سب اُٹھا دیے

فصل پنجم

خودی کی بیخ کنی

ایک دن سوامی جی نے فرمایا تمنے سوال کیا تھا خودی کیونکر دور ہو لو اب اُسکا جواب سنو۔
یہ تو ہم پہلے کہہ چکے ہین کہ روح وجسم کے اجتماع سے انسان کے ہر پردے مین ایک انانیت یا خودی پیدا ہوتی ہے سو جاہل آدمی جسم ہی کو جانتا ہے روح کا اُسے علم نہین اسلیے اُسکی خودی جسم مین ہوتی ہے یعنی اُسی کو اپنا آپا سمجھتا ہے۔ اور جسم کی آسائیش موقوف ہے بیرونی اشیا پر تو وہ دنیوی تعلقات مین پھنسکر صدہا تکلیفین اُٹھاتا اور زندگی کے اصلی مقصود کو گم کر بیٹھتا ہے۔ البتہ جب اُسکو کچھ علم ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ مین محض جسم یعنی پانچ عناصر کا مجموعہ ہی نہین بلکہ روح بھی میرا ایک جزو ہے اور جسقدر زیادہ تحقیق کرتا ہے اُسکو معلوم ہوتا ہے کہ روح ہی جزو اعظم بلکہ درحقیقت روح ہی انسان ہے اور جسوقت یہ علم ست سنگ اور بچار کے ذریعہ سے دل پر ایسا منقوش ہو جاتا ہے کہ اُسمین شک وشبہہ باقی نہین رہتا تو اُسکو علم الیقین کہتے ہین۔ علم الیقین حاصل ہونے کے بعد انسان عمل پر کمر بستہ ہوتا اور نہایت جد وجہد سے ترک تعلقات کر کے شانتی یعنی اطمینان قلب حاصل کرتا ہے۔ اور جب اطمینان حاصل ہوا تو عین الیقین کے مرتبہ مین پہونچتا ہے

یعنی جو بات علم مین تھی وہ اب دید بنجاتی ہے۔ اسکے بعد خودی کی بیخ کنی ہوتی ہے کیونکہ
جب ہمنے اپنی اصل و حقیقت دیکھ لی تو خودی جو جہل پر مبنی ہے نہین رہ سکتی خودی دور
ہونے کے بعد حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اُسوقت طالب اپنی منزل مقصود کو پہونچتا ہے
پس طالب کو چاہیے کہ حصول علم الیقین کے بعد ترک تعلقات مین دل سے
کوشش کرے۔ کیونکہ جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ مین جسم نہین بلکہ روح پاک ہون جسکی
اصلیت سچدآنند ہے تو ظاہر ہے کہ غیر سچدآنند سے تعلق رکھنے مین خرابی کے سوا کوئی نفع نہین
اس عالم مین ہر ایک شے سوائے ذات باری فانی ہے اور فانی کی حالت ہمیشہ
متغیر رہتی ہے اسلیے جسقدر تعلق ان اشیا سے ہمکو ہوگا اُسی قدر اُنکا تغیر ہماری شانتی مین
خلل ڈالیگا۔ اگر وہ تغیرات موافق طبع ہین تو اُنسے خوشی حاصل ہوگی۔ مخالف طبع ہین تو
رنج پیدا ہوگا۔ لیکن یہ عارضی خوشی اور رنج ہماری شانتی کے لیے دونون مضر ہین فرض
کرو کہ آج ایک شخص تاج سلطانی زیب سر کیے ہوے تخت طاؤسی پر جلوہ فرما ہے اگر
زمانہ کی گردش کل اُسکے ہاتھ مین کاسۂ گدائی دیکر در در بھیک منگوائے (جو کچھ بعید نہین)
تو سوچو کہ اُسکے دل پر کیا گذرے گی ؎

فلک بال ہما کو پل مین سونپے ہے مگس رانی	عجب نادان ہین وہ جنکو ہے عُجب تاج سلطانی

بھگوت گیتا مین لکھا ہے کہ لذات حسی رنج سے بھری ہوئی ہین۔ عاقل آدمی
فانی اشیا پر کبھی فریفتہ نہین ہوتا ؎

کہ گاہے باشد و گاہے نباشد	غم چیزے رگ جان را خراشد

محسوسات کے اندر وش یعنی زہر بھرا ہوا ہے۔ اسی لحاظ سے سنسکرت مین اُنکا نام وشے
ہے اور ثبوت اسکا یہ ہے کہ وشے کا بھوگ کرتے کرتے انسان آخرکار ہلاک ہو جاتا ہے

یہ زہر کوئی مادی زہر نہین بلکہ محسوسات کے ساتھ تعلق خاطر ہونا بس یہی زہر ہے۔ ہان
اگر یہ زہر دور ہو جائے یعنی تعلق نہ رہے تو وہ مہلک نہین بلکہ حیات بخش بنجاتی ہے
بھگوت گیتا مین دو اشلوک ہین جنکے معنی یہ ہین ''رغبت و نفرت دونون سے الگ
رہکر جو شخص محسوسات کو کام مین لاتا ہے وہ منزل مقصود کو پہونچ جاتا ہے یعنی حیات
ابدی حاصل کرتا ہے'' اُپنشد مین ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہین کہ ''اگر انسان اپنی
اصل کو قرار واقعی جان لے تو پھر کس چیز کی اور کسکے لیے خواہش کرے اور کیون جسم کے
پیچھے حیران پریشان پھرے'' غرض اشیا کی خواہش جہل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اگر
جہل علم سے تبدیل ہو جائے تو اشیا سے ترک تعلق بھی لازم ہو جاتا ہے جب آدمی نے
یہ سمجھ لیا کہ جتنی اشیا ہفت طبقات عالم مین ہین سب کی سب فانی و ناپائدار ہین تو دلبستگی
کیون ہونے لگی۔ اور جب یہ جان لیا کہ انانیت شخصی جسکے لیے اشیا کی خواہش ہوتی ہے
خود باطل ہے تو پھر خواہش کسکے لیے رہی انانیت حقیقی اُسکو ان اشیاے فانی سے
نہ کچھ مضاد ہے نہ انکی پروا۔

عالم محسوسات کی بے ثباتی پر غور کرو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑا تھیٹر ہے جسمین
ہر لمحہ پردہ بدلتا ہے نئی نئی صورتین نئی نئی شکلین وجود مین آتی اور پرانی معدوم ہوتی
چلی جاتی ہین۔ پس تبدیلی پر خوشی یا رنج کرنا فضول ہے۔ تماشائی کو چاہیے کہ ہر تبدیلی
پر یکسان رہے اپنی شانتی مین فرق نہ آنے دے ؎

زہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد ست	غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود

ناٹک مین ایک شخص کبھی بادشاہ بنجاتا ہے کبھی فقیر۔ لیکن وہ اپنے آپ کو نہ بادشاہ
جانتا ہے نہ فقیر بلکہ وہی سمجھتا ہے جو اصل مین ہے۔ نہ شاہانہ لباس سے مغرور ہوتا ہے

نہ فقیرانہ گدڑی سے ملول بلکہ یہ کوشش کرتا ہے کہ جو سوانگ بھر اگیا ہے اُسکا حق پورا پورا ادا ہو جائے اسی طرح جب انسان اپنے آپ کو سمجھ کر دنیوی کارروائی برن اور آشرم کی کرتا ہے اور اپنے اصلی روپ کو نہین بھولتا تو اُسکی دلبستگی اس جسم کثیف سے چھوٹ جاتی ہے۔ تب وہ دوسرے پردہ مین داخل ہوتا ہے اور بتدریج بیرونی پردون سے اندرونی مین عروج کرتا ہوا مقصود اصلی کو پالیتا ہے

چونکہ جانش وارہید از ننگ تن	رفت شادان پیش اصل خویشتن
یار زیبا روے ما اینجا ستے	انچہ می جستیم آن باما ستے

انسان راحت کا طالب تو ہمیشہ رہتا ہے مگر غلط راہ چلتا ہے یعنی بیرونی اشیا مین تلاش کرتا ہے جہان اُسکا پتا نہین۔ دیکھو ذائقہ اشیا کے صفات مین سے ہے تو اُسکے ادراک مین بھی سب آدمی متفق ہین۔ جو چیز شیرین ہے وہ سب کے نزدیک شیرین ہے اور جو نمکین ہے وہ سب کے نزدیک نمکین۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کو کچھ مرغوب ہو کسی کو کچھ مگر ادراک مین اختلاف نہین یہی کیفیت کل محسوسات کی ہے۔ اسی طرح اگر راحت بھی اشیا کی صفت ہوتی تو کل انسان اُسکے ادراک مین متفق الراے ہوتے لیکن ہم دیکھتے ہین کہ جس چیز کو ایک شخص موجب رحت سمجھتا ہے دوسرا اُسی کو باعث کلفت جانتا ہے بلکہ ایک ہی شخص کی راے کسی شے کی نسبت خود تبدیل ہو جاتی ہے

جسے پہلے سمجھے تھے آرام نرِ بھے	اُسے اب جو دیکھا تو خلجان نکلا

اس سے ظاہر ہے کہ رحت بیرونی اشیا مین نہین۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رحت بیرونی اشیا مین نہین تو کہان ہے؟ جواب یہ ہے کہ تمھین مین ہے یعنی روح انسانی ہی مخزن راحت ہے

توخوشی وخوب وکان ہر خوشی خویشتن نشناخت مسکین آدمی	توچرا خود منت بادہ کشی از فزونی آمد وشد در کمی

ہرن کے نافہ سے جب بوے مشک پھوٹتی ہے تو وہ مست ہوکر اُسکی تلاش مین چارون طرف دوڑتا اور جنگل جنگل مارا پھرتا ہے مگر کہین نہین پاتا۔ کتا خشک ہڈی چچورتا ہے اور جب اُسکے دانتون سے خون نکلنے لگتا ہے تو خوش ہوتا ہے کہ ہڈی مین سے خون نکلا حالانکہ یہ صرف اُسکا زعم (گمان) باطل ہے۔ اسی طرح انسان خود مخزن سرور ہے مگر اپنی نادانی سے اُسکو بیرونی اشیا مین تلاش کرتا ہے ؎

اے کمان وتیرہا برساختہ ہرکہ دور اندازتر او دورتر	صید نزدیک تو دور انداختہ وزچنین گنج ست او مہجورتر

پس اول اس باب مین تفکر کرنا چاہیے کہ راحت کا وجود تو یقینی ہے لیکن وہ بیرونی اشیا مین ہے یا خود ہم مین اور جب یہ بات ذہن نشین ہوجائے کہ وہ ہمارے ہی اندر موجود ہے تو پھر اس عادت کے تبدیل کرنے مین کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اُسکو باہر نہ ڈھونڈین بلکہ اپنے آپ مین تلاش کرین۔ عادت کو سنسکرت مین سبھاؤ کہتے ہین اور سبھاؤ کا دور کرنا سخت دشوار کام ہے مثلاً کوئی شخص پچاس سال سے افیون کھاتا ہو اب وہ اُسکے مضرتون سے واقف ہوکر چھوڑتا ہے تو جو تکلیف اُسپر گذرے گی۔ اُس سے بدرجہا زیادہ اس سبھاؤ کے دور کرنے مین آدمی کو اذیت ہوگی کیونکہ بہت جنمون کا ہے لیکن ارادہ پختہ ہو تو آہستہ آہستہ اُسپر غالب آسکتا ہے۔ البتہ بعضے اُلوالعزم ایسے بھی ہوتے ہین کہ جہان اُنکو اپنی عادت کی غلطی معلوم ہوگئی فوراً چھوڑ دیتے ہین اور پھر نام نہین لیتے بھگوت گیتا مین ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہین کہ ایشر نہ کرم کو نہ کرم کے کرنے کو اور نہ کرم کے پھل کو پیدا

کرتا ہے یہ کل امور سبھاوسے ہوا کرتے ہین اسلیئے انسان کو اپنے سبھاؤ کی درستی
مین بہت کوشش کرنا چاہیئے ؎

گر رہبر تست عادت خویش	مردودو منافقی نہ درویش

راحت دراصل روح مین ہے اور جب دل کو شانتی یعنی اطمینان حاصل ہوتا
ہے تو راحت کا ظہور ہوتا ہے اور جب دل متردد ہوتا ہے اور تردد کی وجہ سے راحت
مین خلل پڑجاتا ہے تو راحت ظاہر نہین ہوتی یعنی رنج محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر خواہش
ہمارے دل مین ایک تردد پیدا کرتی ہے اور جسوقت شئے مطلوب کے ذریعہ سے
خواہش پوری ہوجاتی ہے تو وہ تردد دور ہوجاتا ہے اور راحت پر جو پردہ پڑگیا تھا وہ
اُٹھ جاتا ہے مگر ہم یون سمجھتے ہین کہ راحت اُس شئے مین ہے جس سے خواہش دور
ہوئی تھی حالانکہ یہ محض غلط ہے بلکہ شئے مطلوب نے صرف اُس انتشار کو رفع کردیا جو مخل راحت
تھا۔ مثلاً ایک تالاب ہے جسکا پانی صاف وساکن ہے اور تہ کی ہر ایک چیز بخوبی نظر
آتی ہے۔ اب تم ایک پتھر پھینک کر اُس پانی کو متحرک کردو تو وہ چیزین اب نظر نہ آئینگی
لیکن جسوقت پانی اصلی حالت پر آجائیگا تہ کی چیزین بدستور دکھائی دینگی پس خواہش
کا پیدا ہونا گویا شانتی کے پانی مین پتھر کا گرنا ہے اور جو چیز خواہش کو دور کرتی ہے
وہ شانتی کو اصلی حالت پر لاتی ہے رہا تہ کی چیزون کا نظر آنا یعنی راحت کا ظہور وہ جیسا
پہلے تھا اب بھی ہے کہین باہر سے نہین آیا۔ بعض حکماے مغربی کو بھی اس مسئلہ مین
غلط فہمی ہوئی ہے وہ کہتے ہین "کہ جسقدر انسان کی خواہشین زیادہ ہونگی اُسی قدر راحت
زیادہ ہوگی کیونکہ خواہش کے پورے ہونے سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ جہان خواہشین
کم ہونگی وہان راحت بھی کم ہوگی" اس قول کے بموجب تو بیماری بھی باعث راحت ہے

کیونکہ شفا پانے سے راحت حاصل ہوتی ہے گویا تندرستی بلا بیماری قائم رہے تو وہ راحت نہین۔ خیر ہم اُنکے اس خیال سے متفق نہین ہین بلکہ ہمارے نزدیک تو خواہشات ہمیشہ انسان کو ذلت خواری کلفت اور آزردگی مین مبتلا رکھتی ہین ؎ دیے لوبھ چکھنا چکھن لگھو پُن بڑو لکھات؛ یعنی طمع کا چشمہ لگاکر چھوٹا آدمی بڑا معلوم ہوتا ہے۔ اور جو خواہشون کا بندہ ہے وہ ذلیل آدمیون سے ملتجی ہوکر اور ذلیل ہوتا ہے ؎

زہد و تقوے چیست اے مرد فقیر	لاطمع بودن ز سلطان و امیر
آنکہ شیران را کند روبہ مزاج	احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

اور طرفہ یہ ہے کہ ایک خواہش کے پورے ہوتے ہی دوسری شروع ہوجاتی ہے اور راحت حاصل ہوتے ہی کالعدم ہوجاتی ہے۔ غرض غور کیجیے تو جملہ تکالیف و مصائب کا باعث یہ خواہشین ہین اور یہی دراصل ہمارے حصول سچدانند مین مانع ہین ؎

دل چو آلودست از حرص و ہوا	کے شود مکشوف اسرار خدا
صد تمنا در دل ست اے بوالفضول	کے کند نور خدا در دل نزول
سراپا آرزو ہونے نے بندہ کردیا مجکو	وگرنہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتا

انسان جو انا الحق کا رتبہ رکھتا ہے صرف ہوا و ہوس کی وجہ سے اس مقام خسیس یعنی اسفل السافلین مین محبوس ہے۔ اسلیے خواہشون کا دور کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ شانتی کا جانی دشمن یہی ہے بھگوت گیتا مین لکھا ہے کہ جسکو شانتی نہین اُسکو سکھ کہان! اور درحقیقت خواہشون کی جڑ خودی ہے جنے اس بنیاد فساد کو کھود کر پھینکدیا وہ سب بکھیڑون سے پاک ہے۔ خواہشون سے پاک ہونے کی پہچان یہ ہے کہ آدمی ہر حال مین خوش رہے نہ کسی شے کی طرف رغبت ہو نہ کسی سے نفرت ؎

قومے بہ تمنائے زر و مال خوش اند	قومی بہ تماشائے خط و خال خوش اند
اینہا ہمہ اسباب خرابی دارد	خوش حال کسانیکہ بہر حال خوش اند

اکثر صاحبون کا یہ خیال ہے کہ شانتی قطع تعلق سے حاصل ہوتی ہے مگر یہ خیال محض خام ہے۔ قطع تعلق سے نہین بلکہ ترک تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ قطع تعلق صرف جسم سے ہوتا ہے اور ترک دل سے۔ جب تک یہ خودی اور اُسکے بیشمار رسالے یعنی خواہشین بھون بھون کرتے اور شور و غل مچاتے ہین دل کو شانتی کہان؟ جسکی خودی دور نہین ہوتی وہ قطع تعلق کر کے جہان کہین جاتا ہے نئے تعلقات پیدا کر لیتا ہے۔ لیکن خودی دور ہو جائے تو اشیا سے دلبستگی باقی نہین رہتی اور دل جملہ تعلقات سے بری ہو جاتا ہے۔ پھر جدا رہے یا شامل شانتی مین فرق نہین آتا اور تمام فرائض بخوشی و سہولت ادا ہوتے ہین ؎

نمیگویم کہ از دنیا جدا باش	بہر کارے کہ باشی با خدا باش

گوشہ نشینی اکثر خود غرضی سے کی جاتی ہے بدین خیال کہ ہمارے متعلقین ہماری ترقی روحانی مین مانع ہین۔ گویا خودی کو بجائے دور کرنے کے اور مستحکم کرتے ہین۔ جسکا نتیجہ مقصود اصلی کے برعکس ہوتا ہے۔ کسی نے اپنے محبوب کے دروازہ پر دستک دی آواز آئی کون؟ جواب دیا مین۔ آواز آئی یہان دو کی گنجایش نہین کچھ تامل کر کے پھر دستک دی۔ آواز آئی کون؟ اب کی جواب دیا تو۔ فوراً دروازہ کھل گیا اور وہ اندر داخل ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ جب مین دور ہو کر صرف تو باقی رہجاتا ہے تو سالک راہ منزل پر پہونچتا ہے ؎

تا توئی کے یار گردد یار تو	چون نباشی یار باشد یار تو

تو مباش اصلا کمال اینست و بس	تو درو گم شو وصال اینست و بس

لیکن یہ آسان کام نہین تمام خواہشون کو چھوڑنا اور نفس کو زیر کرنا زندہ درگور ہونا ہے مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا جو لوگ مین مین کرتے اور میرا میرا پکارتے ہین۔ ہرگز اس راہ مین چلنے کے لائق نہین۔ اگر چلے بھی تو انجام بخیر نہین ہوتا بلکہ اورون کی رہزنی کرتے ہین ؎

بوالہوس پاؤن نہ رکھنا کبھی اس راہ کے بیچ	کوچۂ عشق ہے یہ رہگذر عام نہین

ایسے شخصون کو چاہیے کہ صبر سے کام لین جلد بازی نہ کرین بلکہ وقت کے منتظر رہین اور آہستہ آہستہ خودی کو دور کرین۔ بچہ دفعۃً جوان نہین ہوجاتا۔ اسیطرح جسمین ترک تعلق کی طاقت نہین اُسکو چاہیے کہ رفتہ رفتہ یہ حالت پیدا کرے۔ برن اور آشرم کا یہی مطلب ہے کہ انسان مین ترک و تجرید کی استعداد بتدریج پیدا ہو۔ اسلیے برن اور آشرم کے فرائض پورے پورے ادا کرنے چاہیین۔ بے وقت کی تبدیلی سے بڑی خرابی پڑتی ہے اور انسان سخت مصائب مین مبتلا ہوجاتا ہے۔ نفس امارہ کو مغلوب کرنا معمولی آدمی کا کام نہین بلکہ بڑا دلیر و دلاور سورما چاہیے جو اس دیو خونخوار پر فتح حاصل کرے ؎

یہ نفس وہ سرکش ہے کہ مارا نہین جاتا	یہ جن کسی عامل سے اُتارا نہین جاتا

سری کرشن جی مہاراج نے جس خونخوار اژدہے کو زیر کیا اور اُسکے سر پر ناچے وہ دراصل یہی اژدہا تو تھا۔ جب تک انسان اُسکو زیر نہین کر پاتا اُسکی زندگی تلخ رہتی ہے۔ مگر جس شخص مین ہنوز اُسکے زیر کرنے کی طاقت نہین اُسکو چاہیے کہ مقابلہ مین نہ آئے کیونکہ اگر مر نہ سکا تو ڈس ہی لیگا۔ کپڑے رنگ لینا تو سہل ہے مگر اس اژدہے کی پھنکار سے بچنا سخت مشکل ہے ع منوا اگر مارا نہین کپڑے رنگے تو کیا ہوا۔

مان بڑائی ایرکھا من مین بھری انیک	ناراین سادھو بنے دیکھو اچرج ایک

شاسترون مین لکھا ہے کہ جب کوئی دنیوی تعلق باقی نرہے اور کوئی فرض واجب لادا اُسکے ذمہ نہو اور خواہشات سے دل پاک ہوگیا ہو تو آدمی سنیاس لے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلق مین رہکر ترک تعلق کرنا چاہیے گویا ترک کے سبق کا یہ مدرسہ ہے نہ کہ جائے گرفتاری جیساکہ اکثرون کا خیال ہے۔

انسان کی روحانی ترقی مین ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اُسکو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُسوقت مرشد کامل اُسکا انتظام کردیتا ہے۔ اگر معمولی آدمی کو کچھ عرصہ تنہائی مین رکھا جائے تو شاید مجنون ہوجائے۔ اسلیے قید تنہائی ایک وقت مین ہفتہ بھر سے زیادہ نہین جاتی۔ گوشہ نشینی سے صرف وہی شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جسنے کچھ درجے تک روحانی ترقی کرلی ہے عوام کو اُس سے کچھ نفع نہین

قطعہ

چو ہر لحظہ از تو بجاے رود دل	بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینے
ورت مال و جاہ ست زرع و تجارت	چو دل باخدای ست خلوت نشینی

دوسری وجہ قطع تعلق کی یہ سمجھی جاتی ہے کہ دنیا کی اشیا تنہائی مین ہمارے دل پر اپنا اثر نہ ڈال سکین گی۔ ابھی دنیا کی بے وقعتی تو ذہن مین جمی نہین اور کر بیٹھے قطع تعلق اس عجلت کا نتیجہ خرابی نہو تو اور کیا ہو۔ اکثر گوشہ نشین اسی وجہ سے ڈگ جاتے ہین کہ ترک سے پہلے قطع تعلق کی جراُت کرتے ہین۔ بچہ سے کھلونے چھین لو تو کیا کھلونون کی وقعت اُسکے دل سے مٹ جائیگی؟ ہرگز نہین بلکہ اور بڑھیگی۔ جہان دیکھ پائیگا زیادہ للچائیگا البتہ وہ جوان و ذیشعور ہوجائے تو کھلونون کی بے وقعتی اُسکے دل مین خود پیدا ہوجائیگی۔ اسی طرح جب دنیا اور مکروہات دنیا کی بے وقعتی دل مین جم جاتی ہے تو انسان اُسکی کشش سے

باہر ہوجاتا ہے۔ اُسوقت تنہائی اختیار کرے تو مضائقہ نہین ورنہ وہی کیفیت ہوگی کہ ع

برزبان تسبیح و در دل گاؤخر۔ ایک فقیر صاحب فرماتے تھے کہ خدا اپنے بچون کو دولت

وحشمت کے جھنجھنے دیکر خوش رکھتا ہے۔ جب وہ جوان ہوجاتے ہین تو معرفت

عطا کرتا ہے ؎

ہر کہ آئینۂ صافی نشد از زنگ ہوا	دیدہ اش قابل نظارۂ حکمت نبود

جسقدر انسان کی خودی دور ہوتی جاتی ہے اُسی قدر محبت ہمدردی اور نیک

کامون کی طرف اُسکی رغبت بڑھتی جاتی ہے دوسرون کی نفع رسانی اُسکا عین ایمان

دھرم بنجاتا ہے۔ نیکی کرنے سے عجیب سرور حاصل ہوتا ہے گویا انسان فرشتہ بنجاتا ہی

اور یہی دنیا اسکی بہشت۔ برخلاف اسکے خودغرضی اس عالم کو دوزخ سے بدتر بنا دیتی ہے ؎

ہمسے کسی کو پہونچی نہ راحت ایسے مصیبت کوش ہوے

جان نہ تھی تو بار شکم تھے۔ مرکے وبال دوش ہوے

جب دیوتاؤن نے "ددہیچ رشی" کے پاس جاکر اُنکی ہڈیان مانگین تو بہت ہنسے اور خوش

ہوکر فرمایا "زہے قسمت کہ آج ہمارا جسم آپ صاحبون کے کام آئیگا۔ ہم تو سمجھتے تھے مفت

برباد جائیگا۔ یہ کہکر ہڈیان نکالدین اور پرم دھام کو چلے گئے۔ سوامی بھاسکرانند جی بنارس

کے مشہور و معروف یوگی نے مرتے وقت اپنے دوستون اور مریدون سے کہا کہ میری نعش

نہ جلانا نہ دفن کرنا بلکہ جنگل مین رکھدینا تاکہ جانورون کے کام آئے۔ جب انسان

اپنے آپ کو روح سمجھ لیتا ہے تو جسم کو چندان کارآمد نہین پاتا۔ پس یون خیال کرتا ہے

کہ جس کسی کو اس سے نفع پہونچے بہتر ہے۔ اور جب وہ ایک ہی نور الٰہی سب مین پاتا ہے

تو برادرانہ محبت کے جوش سے ایسا بھر جاتا ہے کہ انسان تو انسان جانورونکی ایذا بھی

اُسکو گوارا نہین ہوتی - غرض محبت صادق ایک پیمانہ ہے جس سے خودی کے گھٹنے کا
اندازہ ہو سکتا ہے بلکہ پریم ہی اس عالم مین اصل ہے باقی سب اُسکی فروع - اسی سے
روحون مین یگانگی پیدا ہوتی ہے - اسی سے مخلوق کی رسائی خالق تک ہوتی ہے ؎

برخرمن کائنات کردم چونگاہ
یک دانہ محبت ست باقی ہمہ کاہ

اس مضمون کے متعلق ایک بات قابل غور یہ ہے کہ جہل سے خودی پیدا ہوتی ہے
خودی سے تعلق یعنی کسی شے کے ساتھ رغبت کسی سے نفرت تعلق سے خواہشین اور
خواہشون سے ہر قسم کی تکلیفین - اسلیے انسان کو چاہیے کہ اول جہل کے دور کرنے مین
سخت کوشش کرے اور کوشش بھی عملاً ہو تاکہ تکلیفات کی جڑ کٹ جاے اور سرور دائمی حاصل ہو
جب تک انسان عین الیقین کے مرتبہ کو نہین پہونچتا تب تک جہل کی بیخ کنی نہین ہوتی بلکہ
اُسکی ٹوٹی پھوٹی باقی ماندہ جڑ موقع پا کر پھر سرسبز ہو جاتی ہے اور اُس سے خودی کا انکر
پیدا ہوتا ہے جس سے تعلق کا درخت خواہشات کی شاخین اور تکالیف کے پھل نمودار
ہوتے ہین یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے عابد و زاہد بعض اوقات اس درخت کی شاخون
مین اولجھ جاتے اور بہت تکلیف پاتے ہین اسلیے طالب کو چاہیے کہ ترک کے ذریعہ سے
حصول عین الیقین کے لیے پوری سعی و کوشش عمل مین لائے تاکہ جہل کی جڑ کٹ جائے
اور خودی کا انکر پھر نہ پیدا ہونے پائے اسکے سوا طالب کو دوسری کوئی جاے امن
و گوشۂ عافیت نہین ہے ؎

جب لگ تن ناہین جرت من ناہین مرجات
تب لگ مورت شیام کی وجہن ناہ دکھات

فصل ششم

سوامی جی کا سفر نامہ

ایک روز سوامی جی نے فرمایا کہ آج ہم اپنے ایک اَور سفر کا حال سناتے ہین۔ ہمنے ایک بار قصد کیا کہ چلین کنچنی دیوی کے درشن کرین۔ یہ دیوی دنیا بھر کی دیوی دیوتاؤن مین سب سے زیادہ مشہور و معروف ہین۔ روے زمین پر شاید ہی کوئی فرد بشر ہوگا جو انکی پرستش مین دل وجان سے مصروف نہو۔ دیوی جی کا مندر ایک دشوار گزار پہاڑ پر واقع ہوا ہے جسکی راہ مین سخت مصیبتین پیش آتی ہین اور انتہا درجہ کی تکلیفون کا سامنا ہوتا ہے اسوجہ سے اکثر اُنکے بھگت درشنون سے محروم رہتے اور دل ہی دل مین اُنکا جپ تپ کیا کرتے ہین اگرچہ ہر شخص دیوی جی کے درشنون کا مشتاق اور زیارت کا آرزومند رہتا ہے مگر معدودے چند ہی ایسے خوش قسمت ہین جو زیارت سے فیضیاب ہوتے ہین اور اُنمین سے بھی بہت بھلے درشن کے بعد صحیح سلامت واپس آتے ہین۔

اب رستہ کی کیفیت سنو۔ اول تو دامن کوہ مین کوسون تک جنگل اور بن ہے جسمین سخت خونخوار درندے زہریلے سانپ اور ہیبت ناک اژدہے رہتے ہین۔ وحشی ہاتھیونکے غول کے غول آزاد پھرتے ہین۔ رستہ کا کہین پتا نہین۔ سرزمین گرم۔ ہوا ناقص۔ پانی مہلک غرض اس خوفناک جنگل سے صحیح سلامت نکل جانا سخت مشکل ہے۔ تنہا آدمی کو تو بہت دشوار ہے۔ اسی لیے جب بہت سے جاتری جمع ہو جاتے ہین تو قافلہ کا قافلہ کمپنی بنا کر چلتا ہے تاکہ وقت پڑے تو ایک کی ایک مدد کرے۔ ہمارے قافلہ مین سب زن و مرد کوئی سو آدمی تھے۔ دن کو چلتے تو سب کے سب شور و غل مچاتے۔ رات کو ٹھیرتے تو گرداگرد

آگ جلاتے تاکہ موذی جانورون کے حملے سے امن ملے۔ اثناے سفر مین ایک دن جھاڑی مین سے ایک شیر جھپٹا اور ایک مسافر کو دبوچکر لے ہی گیا۔ سب دیکھتے کے دیکھتے رہگئے۔ ہاے ہاے کرنے اور غل مچانے کے سوا کسی سے کچھ نہ بن پڑا۔ ایکدن ایک بڑا سانپ درخت کے اوپر سے گرا اور نیچے جو آدمی بیٹھا تھا اُسکو لپٹ گیا۔ ہر چند چھوڑانے کی کوشش کی مگر کچھ کارگر نہوئی ناچار لاٹھیون سے پٹینا شروع کیا خیر سانپ تو مرہی گیا مگر وہ آدمی بھی نہ بچا۔ ایکدن چند تھکے ماندے مسافر ایک لٹھے پر جا لیٹے۔ کچھ ضرورت جو پیش آئی تو کسی نے وہین آگ سلگا دی جسوقت آگ تیز ہوئی تو لٹھا جنبش مین آیا تب معلوم ہوا کہ یہ تو اژدہا ہے۔ ہم سب نے بھاگ کر جان بچائی۔ ہمارے کتنے ہی ساتھی آب وہوا کی خرابی سے ایسے بیمار پڑے کہ کوئی اس منزل کھیت رہا کوئی اُس منزل۔ غرض بہت سی جانین ضایع کرکے ہم تھکے ماندے نیم جان بہزار خرابی پہاڑ تک پہونچے جسکی بلندی کو دیکھکر خوف آتا تھا اب یہان سے چڑھائی شروع ہوئی جنگل تو ایسا گنجان نہ تھا جیسا طے کرکے آئے تھے۔ جانور بھی کم تھے۔ پانی البتہ مشکل سے ملتا تھا مگر جو ملتا وہ صاف اور شیرین تھا۔ ہوا بھی تو گرم لیکن ایسی مضر نہ تھی جیسی بن کی۔ تاہم سب مصیبتون کی ایک مصیبت یہ کمبخت چڑھائی تھی جسنے مسافرون کے چھکے چھوڑا دیے۔ دم ٹوٹ گیا گھٹنے تھک گئے۔ کوئی یہان گرا کوئی وہان۔ چند آدمی جو کمزور تھے ایسے بیٹھے کہ پھر نہ اُٹھے۔ لوگون نے بہت سہارا دیا ہمت بندھائی مگر جب اپنا ہی بل بوتا کام نہ دے تو ساتھیون کی مدد سے کیا ہو سکتا ہے۔ اب ہم ایک ایسی جگہ پہونچ گئے جہان سے سفر دلچسپ وآسان ہوگیا۔ یہ مقام نہایت پرفضا خوشنما اور سرسبز تھا جابجا سرد و شیرین چشمے جاری۔ ڈھانگون پر خودرو پھولون کے تختے کے تختے

کھڑے درختون پر خوب صورت پرند خوش الحانی سے چہچہاتے جنکی صدا ہوا مین گونج اُٹھتی تھی۔ ہرن۔ پاڑھے۔ لنگور۔ اُچھلتے پھرتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم سچ مچ ایک گلزار پر بہار مین گل گشت کر رہے ہین۔ اگرچہ یہان بھی چڑھائی سخت مشکل تھی مگر کچھ تو ہمکو اُسکی مشق ہوگئی تھی کچھ اس دلکشا مقام کی خوبی نے ہماری محنت کو ہلکا کر دیا تھا۔ اسلیے اب سفر ناگوار نہ تھا چلتے چلتے اس حصہ کو طے کر کے ہم کوہستان کے اُس سلسلے پر جا پہونچے جو موسم سرما مین برف سے ڈھکا رہتا اور صرف گرمی کے دنون مین قابل گزر ہوتا ہے۔ یہان ایک وسیع میدان تھا جو سبزی رنگا رنگ بیل بوٹون اور بوقلمون پھول پتون سے ایسا آراستہ و مرتب نظر آتا تھا گویا فراش قدرت نے بوٹہ دار فرش زمردین نووارد مہمانون کے لیے ابھی بچھایا ہے۔ اور اس صحن دل افروز کو اپنی صنعت کی میناکاریون سے خوب جی لگا کر سجایا ہے۔ اُسمین سے ایسی بھینی بھینی مہک نکل رہی تھی جو دل و دماغ کو ترو تازہ کرتی تھی۔ ہمکو تو یہ گمان ہوا۔ شاید پوجاری دیوی جی کو دھوپ دیپ دے رہے ہین۔ چھ مہینہ تک جو برف جمی رہتی تھی تو اس وجہ سے نہ کوئی درندہ چرندہ چلتا پھرتا نظر آتا تھا نہ کہین اونچے درختون کا نشان تھا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے خوب صورت خوش رنگ خوش آواز پرندے جابجا چہک رہے تھے۔ یہان کی دلکش فضا اور طبیعت ہوا۔ پرندون کی چہک اور سبزہ کی مہک دل پر عجیب اثر پیدا کرتی تھی۔ جو بیان مین نہین آسکتا۔ اس چوتھی منزل مین کچھ فاصلہ پر برفستان سے ملا ہوا دیوی جی کا مندر ہے اب ہم ایسی جگہ جا پہونچے جہان سے مندر صاف نظر آتا تھا۔

مین ایک سادھو سے عجائبات قدرت کی نسبت بات چیت کرتا چلا جا رہا تھا کہ ایک شخص بولا کیون مہاراج یہ پہاڑ اتنے اونچے کیونکر ہوگئے اور اُنسے دنیا کو

کیا فائدہ پہونچتا ہے اور یہان ایسا کڑا کے کا جاڑا کیون ہے۔ سادھو صاحب نے فرمایا کہ
ان پہاڑون کی ہزارہا من مٹی ہر سال کی بارش مین ڈھل ڈھلا کر دریاؤن کی راہ سے
سمندر مین پہونچ جاتی ہے جس سے سمندر کی سطح زمین ہر سال بلند ہوتی چلی جاتی ہے اور
پہاڑون کی بلندی گھٹتی جاتی ہے۔ کہین مدتہاے دراز مین یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ
سمندر کی تہ پہاڑون کی اونچائی سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے تب سمندر کا پانی اس نشیب
کی طرف آنے لگتا ہے اور پہاڑ کی جگہ سمندر اور سمندر کی جگہ پہاڑ بنجاتا ہے اور ایسی
تبدیلیان اس کرۂ زمین پر سمندر کی بدولت ہوتی رہتی ہین مگر مدت دراز مین۔ جہان
اب ہمالیہ پہاڑ ہے یہان کسی زمانہ مین سمندر تھا۔ اس امر کی تصدیق اُن بڑی سمندری
مچھلیون کے کھانکرون سے ہوتی ہے جو ہمالیہ کی بلند چوٹیون پر پائی گئی ہین۔
دوسری وجہ ناہمواری زمین کی یہ ہے کہ جب بطن زمین کے اندر کے سوختنی مادّے
بھڑک اُٹھتے ہین تو مٹی کے بالائی طبقہ کو اُلٹ پلٹ کر کے پہاڑون کو نمودار کردیتے
ہین۔ بعض اوقات زمین کی اندرونی حرارت مشتعل ہوکر پہاڑ کے منفذون سے پھوٹ
نکلتی ہے چنانچہ ہندوستان مین جوالا مکھی پہاڑ مشہور ہے وہان ایسے ہی شعلے نکلتے
ہین جنکو جوالا مکھی دیبی کہتے ہین۔ سال مین دوبار وہان میلہ لگتا ہے جسمین اطراف
وجوانب سے آکر بہت جاتری جمع ہوجاتے ہین۔ بعض اوقات یہی اندرونی حرارت
ایسا جوش مارتی ہے کہ پہاڑ کے پرخچے اُڑا دیتی ہے اور گرم راکھ اور پتھر اس زور شور
سے ہوا مین اُڑتے ہین کہ کوسون تک اُنکا مینھ برس جاتا ہے۔ ایسے پہاڑ کوہ آتش فشان
کہلاتے ہین۔ جب آتش فشانی ہوتی ہے تو گرم راکھ اور پتھرون کے علاوہ بعض وقت
پہاڑ کے موکھے مین سے ایک سیال مادہ پگھلی ہوئی دھات کی مانند نکلتا ہے

اور یہ آتشین رَو جن بستیون سے گذرتی ہے اُنکو جلا بھون کر تہس نہس کرڈالتی ہے ایسے حادثات کے وقت بعض اوقات نہایت ہولناک آواز ہوتی اور دور دور تک زمین لرزجاتی ہے اسی کو بھونچال یا زلزلہ کہتے ہین۔ اندرونی حرارت کی وجہ سے بعض پہاڑی مقامات مین گرم پانی کے چشمے اُبلتے ہین۔ بدری ناتھ جی مین ایک ایسا ہی چشمہ ہے۔ بعض چشمون کے پانی مین معدنی جزو بھی شامل ہوتا ہے۔ جیسے نینی تال کے ایک چشمہ سے گندھک ملا پانی نکلتا ہے اور یہ پانی بہت ہاضم ہوتا ہے۔

ان پہاڑون سے نوع انسان کو بہت فائدے پہونچتے ہین۔ اوّل تو سونا چاندی لوہا تانبا وغیرہ کل دھاتون کی کھان پہاڑون مین ہوتی ہے گویا پہاڑ ہماری دولت کے خزانے ہین دوسرے اونچے اونچے پہاڑون پر بارش بھی خوب ہوتی ہے اور برف پڑتی ہے جس سے بڑے بڑے دریا ہمیشہ جاری رہتے میدانون کو سیراب و شاداب کرتے اور کاشتکاری و تجارت کو نفع پہونچاتے ہین۔ تیسرے صدہا قسم کی معدنی اور نباتی دوائین ہین جو پہاڑون سے دستیاب ہوتی ہین اُنکے استعمال سے آدمی قوت و صحت حاصل کرتے اور بیماریون سے شفا پاتے ہین۔ چوتھے پہاڑی جانورونسے بہت سی کارآمد چیزین ہمکو حاصل ہوتی ہین۔ ہرن کا مشک پہاڑی بکریون کی مہین اُون جسکے شال دوشالے بُنے جاتے ہین۔ پانچوین بیش بہا جواہرات بھی پہاڑی سرزمینون مین ملتے ہین۔ چھٹے سنگ مرمر سنگ موسی سنگ پٹھانی سنگ سرخ وغیرہ قسم قسم کے پتھر پہاڑون سے کاٹ کر لاتے اور آدمی اپنے لیے بڑی بڑی عالیشان اور پختہ عمارتین تیار کرتے ہین۔ جو صدہا سال تک قائم رہتی ہین۔ جیسے آگرہ مین تاجگنج کا روضہ کہ جسکی تعمیر کو قریب ڈھائی صدی کے ہوے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج تیار ہوا ہے۔ ساتوین پہاڑون مین بعض مقام

ایسے صحت افزا اور دلکشا ہوتے ہین کہ وہان جانے سے سیر و تفریح کے علاوہ تندرستی بحال ہو جاتی ہے جیسے کشمیر شملہ نینی تال وغیرہ جہان خاصکر گرمی کے موسم مین دور دور کے لوگ آتے اور وہان کے چشمہ سارون اور مرغزارون سے بہشت برین کا لطف اُٹھاتے ہین۔ دربار اکبری کا ایک شاعر جو اپنے آقا کے ہمرکاب کشمیر گیا تھا اُسکی تعریف مین لکھتا ہے ؎

ہر سوختہ جانے کہ بکشمیر درآید این چشمہ و این سایہ و این سبزہ و این گل	گر مرغ کباب ست کہ با بال پر آید وصفش بچنان ست کہ در گفت درآید

عمدہ آب و ہوا اور دلکش فضا کی وجہ سے اعلی درجہ کے یوگی اور سنیاسی بھی ایسے مقامات مین رہتے ہین کیونکہ وہان یوگ اچھا ہوتا ہے۔ ایک فلاسفر کا قول ہے کہ جسکو قدرت کی شان دیکھنی منظور ہو اُسکو چاہیے کہ پہاڑ اور سمندر کی سیر ضرور کرے کیونکہ قدرت کی شاندار کارروائیان انھین دو مقامات مین نظر آتی ہین۔ مہاراج شنکر اچارج نے ہندوستان کے چارون کونون پر چار مندر۔ بدری ناتھ جگناتھ۔ سیت بند رامیشر اور دوارکا قائم کیے تاکہ دور دراز خطون کے جاتری وہان جا کر بزرگ سادھوؤن اور کامل فقیرون سے اُپدیش حاصل کرین۔ اس ضمن مین ہندوستان بھر کی سیر اور سمندرون اور پہاڑون کی دیکھ بھال اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ مفت ہے۔

دیکھو یہ سوال جو دل مین پیدا ہوا کہ ایسی شدت کی سردی یہان کیون ہے تو اُسوقت پیدا ہوا جبکہ نشیبی میدان سے چلکر اونچے پہاڑ پر آئے۔ سو یہ کچھ اچنبھے کی بات نہین یہ تو قدرتی قاعدہ کے بموجب ہے۔ آفتاب کی تپش جو زمین مین داخل ہو کر اُسکی سطح کو گرم کر دیتی ہے تو سطح زمین کے قریب کی ہوا بھی گرم ہو جاتی ہے اور جو ہوا اونچی ہو

وہ بدستور سرد رہتی ہے بلکہ جسقدر زمین سے اونچی ہوگی اُسیقدر زیادہ ٹھنڈی ہوگی۔
اب ان پہاڑون پر جو ہوا چلتی ہے وہ سطح زمین کی ہوا سے بہت ہی بلند ہے اسیواسطے
بہت سرد ہے اور اسی لیے جاڑے کا موسم معلوم ہوتا ہے۔ جب ہوا مین سردی کا درجہ
تھرمامیٹر کے حساب سے صفر سے نیچے پہونچ جاتا ہے تو ہمین بادل جمکر یون برسنے لگتے
ہین جیسے دُھنی ہوئی روئی کے پہل اُسکو برف کا گرنا کہتے ہین جب برف گرتا ہے تو
بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے زمین درخت مکانات سب برف سے سفید ہو جاتے ہین
گویا ہلکی دھنی ہوئی روئی بچھا دی ہے چلو تو پاؤن دھس جاتا ہے مگر یہ کیفیت تازہ
برف کی ہوتی ہے بعد کو وہ جمکر مثل پتھر کے سخت ہو جاتا ہے برف یہان اونچے
پہاڑون پر ہی گرتا ہے نیچے پہاڑون اور میدانون پر کبھی نہین گرتا ان سرد مقامات مین
دریاؤن و تالابون کے پانی کے سطح پر برف جم جاتا ہے اور نیچے پانی بدستور رہتا ہے
اوپر انسان و حیوان چلتے ہین اور نیچے مچھلیان تیرتی ہین کل جو تمنے دریا کو عبور کیا
تو یہی تو کیفیت تھی تم برف پر چل رہے تھے اور نیچے پانی شور کرتا بہ رہا تھا یہ جو سامنے
کے پہاڑون کی چوٹیان سفید نظر آتی ہین ایسی اونچی ہین کہ بارہ مہینہ اُنپر برف جمی رہتی ہے
الغرض اسی قسم کی بات چیت کرتے ہوے ہم دیوی جی کے مندر کے قریب
جا پہونچے۔ وہان جو دیکھا تو خلقت کا ایک ازدحام کثیر جمع ہے۔ سرون پر تھالی پھرتی اور کھوے
سے کھوا چھلتا ہے۔ بڑا بازار لگا ہے جسمین ہر قسم کا سودا سلف اور ہر ایک جنس اعلی سے
اعلی موجود ہے۔ جاتریون کے ٹھہرنے کو بھی پنڈون نے اچھے اچھے مکان بنا رکھے
ہین۔ دیوی جی کا مندر نرا سونے کا ہے اور اُسکی روکار نہایت خوشنما نقش و نگار سے آراستہ
جسمین تمام دیوتاؤن کی تصویرین بڑی صناعی سے منقوش ہین۔ عمارت ایسی شاندار اور

بلند کہ منزلون سے نظر آتی تھی۔ اُسکے چارون طرف نہایت آراستہ پیراستہ خوشنما چمن بندی کی ہے جسمین چھوٹے چھوٹے خوشنما پھول بوٹے اور سبزہ کے سوا اور کچھ نہین ہے پھاٹک پر ہر دو جانب دو طلائی شیر استادہ ہین جنکی صورت سے دیوی جی کی شان جلال ظاہر ہوتی تھی۔ پجاری جو دیکھے تو زرق برق مغرق لباس پہنے سر سے پانون تک زر و زیور مین غرق۔ ہم قریب قریب پہر سوا پہر دن چڑھے اس دیواستھان مین پہونچ گئے تھے۔ اول تو اشنان کیا پھر کھانا کھایا اور یہ معلوم کر چکے تھے کہ دیوی جی کے درشن رات کو ہونگے اسلیے تیسرے پہر سے جو اُٹھے تو شام تک میلہ کی سیر کرتے رہے۔ جب آٹھ بج گئے تو درشن کی نیت سے ہم مندر کے احاطہ مین داخل ہوئے۔ اگرچہ جمگھٹ بہت تھا پھر بھی انتظام ایسا عمدہ تھا کہ کسی کو تکلیف نہین تھی اور کوئی شخص درشن سے محروم نہین پھرتا تھا۔ پہلے تو کل جاتری دیوی جی کی پرکرما (طواف) کرتے جسکے لیے ایک وسیع رستہ مندر کے گرداگرد بنا تھا۔ اسمین زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ تھی بلکہ باری باری سے تھوڑے تھوڑے آدمی جانے پاتے تھے۔ جب وہ پرکرما پورے کرکے دیوی جی کے روبرو پہونچ جاتے تو دوسرے غول کو جانے کی اجازت ملتی اور پہلا غول درشنون سے فارغ ہوکر دوسرے راستہ سے ایک وسیع کمرہ مین داخل ہوتا۔ جہان ایک پنڈت دیوی مہاتم سُناتے تھے کتھا سنکر اور پرساد لیکر وہان سے باہر نکل آتے تھے۔

مین جو پرکرما کرکے دیوی جی کے سامنے پہونچا اور درشن کیے تو مجھپر ایک عالم حیرت طاری ہوگیا۔ مندر کے اندر ایک عجیب خوشگوار ہلکی زعفرانی روشنی تھی اور کل کمرہ لطیف خوشبو سے مہک رہا تھا۔ بیچ مین دیوی جی کی زرنگار مورت سنگھاسن پر بیٹھی جگ مگ جگ مگ کر رہی تھی۔ اُنکے چہرہ کی تجلی اور چمک دمک بیان مین نہین آسکتی۔ دونون

پہلوون مین ایک حسین مہ جبین گلکار شبنم کا لباس پہنے جواہرات کے زیور سے ہر ہفت بنی جوش جوانی مین سرشار دیوی کا چور کر رہی تھی۔ ان نازنینانِ زاہد فریب کا نازک بدن سانچے کا ڈھلا کانٹے کا تولا باریک پیرہن مین ایسا جھلکتا تھا جیسے فانوس مین شمع ؎

نزاکت اُس گلِ رعنا کی دیکھیو انشا	نسیم صبح جو چھو جاے رنگ ہو میلا

آدمی تو آدمی فرشتہ بھی دیکھے تو لوٹ جائے انکا شیرین تبسم اُنکی جادو بھری چتون اُنکی بے ساختہ ادائین حاضرین کے دلون پر بجلیان گراتی تھین۔ جاتریون کے ٹھٹ کے ٹھٹ سرمست و مدہوش کسی کو کسی کی خبر نہین۔ آنکھین کھلی ہین اور ٹکٹکی باندھے دیوی جی اور اُنکی سیوکون کو تک رہے ہین۔ کچھ سُدھ بدھ نہین کہ ہم کون ہین اور کہان ہین۔ ایسی سمادھی اگر پروردگار کی طرف ایک لمحہ بھی لگ جائے تو انسان رتبہ مین ملاء اعلی سے بھی گزر جائے۔ مگر یہ عیان اور وہ نہان۔ ایسا استغراق ہو تو کیونکر ہو۔ البتہ جب صفائی قلب اُسکو عیان کرتی ہے تو جلال و جمال ربانی نظر آتا ہے اُسوقت آدمی اُس سرور سرمدی کو پاتا ہے۔ اس عالم تحیر و بیخودی مین نہین معلوم ہم کتنی دیر کھڑے رہے۔ جب پردہ گرا اور وہ نظر فریب تشکلین نظر سے غائب ہوگئین تو اوسان ٹھکانے آئے۔ اُسوقت ایک پوجاری ہمارا ہاتھ پکڑ کتھا کے کمرے مین لایا۔ اُس سے سنا کہ درشن کی اجازت تو چند لمحون کے لیے ہے پھر پوجاری پکارتا ہے کہ جاؤ درشن ہو چکے۔ مگر اُسکی سنے کون یہان تو کان ہمہ تن چشم بن گئے ہین۔ اسلیے جھٹ سے پردہ گرا دیا جاتا ہے تب لوگ ہوش مین آتے اور وہان سے ٹلتے ہین۔ سچ ہے عیش و عشرت کی دھن مین کوئی کسی کی نہین سنتا ہان جب مصیبت کا پردہ گرتا ہے تو انسان پند و نصیحت کے قابل بنتا ہے۔

الغرض جب ہم کتھا کے کمرے مین پہونچے تو پنڈت دولت رام صاحب نہایت

خوش بیانی اور طلاقت لسانی سے دیبی جی کا مہاتم بیان فرما رہے تھے۔ اُنکی تقریر لفظ بلفظ تو یاد نہین رہی مگر اُسکا خلاصہ یہ تھا "کنجنی دیوی کے بھگت ہمیشہ خوش و خرم رہتے ہین۔ کسی قسم کی تکلیف اُنکو نہین ہونے پاتی۔ سب مرادین پوری سب حاجتین روا۔ اُنکو کسی ادب قاعدہ کی پابندی لازم نہین کیونکہ اُنکے سب عیب لوگون کی نظر سے پوشیدہ رہتے بلکہ ہنر سمجھے جاتے ہین ؎

اے زر تو خدا نۂ ولیکن بخدا	ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

آشنا نا آشنا یگانے بیگانے سب اُنکی تعظیم تکریم کرتے ہین۔ وہ ہمیشہ عیش و نشاط کے گرداب مین غرق رہتے ہین۔ اسلیے اُنکی طبیعت ایسی یکسو ہو جاتی ہے کہ دنیا و مافیہا کی خبر تک نہین رہتی کوئی مرے یا جیے۔ جہان اُجڑے یا بسے اُنکی بلا سے ؎

بلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھا لیا	اُسکی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

یوگ شاستر مین اسی حالت کو سہج سمادھی کہا ہے اور یہ صرف دیوی جی کے بھگتون کو نصیب ہوتی ہے۔ بس اُنکے دلون مین دیوی جی کے سوا نہ کسی کی محبت باقی رہتی ہے نہ کسی کے ساتھ ہمدردی کیونکہ ایسا کرین تو اُنکی سمادھی کھنڈت ہو جائے۔ عیش و نشاط کے سوا اُنکی طبیعت دوسری طرف جاتی ہی نہین جسم دبلا پتلا چہرہ زرد کم خوراک نفیس پوشاک لطیف طبع۔ نازک مزاج۔ یہی لوگ سمادھی کے ادھکاری ہوتے اور سہج سمادھی کے مزے اُڑاتے ہین۔ اکثر عالم جوانی ہی مین دیہ تیاگ کر پرم دھام کو چلے جاتے ہین ضعف پیری کی بے انتہا کلفتین اُنکو بھگتنی نہین پڑتین۔ مگر جو دیوی جی سے بمکھ (برگشتہ) رہتے ہین اُنکی بُری گت ہوتی ہے۔ مصیبتون کی مارا مار اور آفتون کی بوچھار سدا اُنپر رہتی ہے۔ دنیا انکو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے کوئی انکا آدر نہین کرتا۔ اے اُپاسکو

دیوی جی کی پوجا دل وجان سے کرو تاکہ اُنکی نظر عنایت تمھارے حال پر رہے۔"

یہ کتھا سنکر جب قیام گاہ پر واپس آیا تو رات بھر دیوی جی اور اُنکی سیوکون ہی کا دھیان بندھا رہا۔ صبح کو سوکر اُٹھے تو ہمارے ساتھیون کی یہ رلے ہوئی کہ آج آنند کنڈ کے اشنان کرنے چاہییے۔ چنانچہ یہ ارادہ کرکے ہم سب چل پڑے۔ یہ کنڈ دیوی جی کے مندر کے پیچھے کچھ فاصلہ پر پہاڑونکے بیچ مین ہے پانی اُسکا نہایت صاف شفاف۔ تہ کی چیزین ایک ایک کرکے گن لو اور برفستان جو قریب تھا تو سرد ایسا کہ یخ کو مات کرتا تھا وہان پہونچکر ایک عجیب بات ہمنے یہ دیکھی کہ ہزارون آدمی اُس کنڈ کے کنارے بیٹھے کانپ رہے ہین۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ پانی کے اندر ایک ہار جواہرات کا ہے نہایت بیش قیمت اور مرصع ہر شخص اُسکی جستجو مین غوطہ لگاتا اور حد درجہ کی کوشش کرتا ہے مگر کسی کو دستیاب نہین ہوتا جب آدمی باہر نکلتا ہے تو سردی کے مارے بدن کانپتا اور دانت سے دانت بجنے لگتا ہے۔ یہ سنکر مین نے جو تالاب کی طرف نگاہ کی تو فی الحقیقت ہار اُسمین نظر آتا تھا۔ مین تیراکی اور غوطہ زنی مین تھا بڑا مشاق کیونکہ بچپن مین اچھے اچھے استادون سے یہ فن سیکھا تھا۔ میرا بھی جی للچایا فوراً کپڑے اتار اور لنگر لنگوٹ باندھ اور لوگون کی طرح پانی مین دھم سے کود پڑا اور سانس بند کرکے سیدھا تہ کو جا لگا۔ وہان دیر تک اُس ہار کو تلاش کرتا رہا۔ تہ کا چپہ چپہ ٹٹول مارا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا آخر کار پانی سے سر ابھارا اور دو چار ہاتھ مارکر کنارہ جا پکڑا اور جسطرح سب کانپ رہے تھے مین بھی کانپنے لگا۔ جب دھوپ کھا کر سردی چھوٹی اور بدن مین جان آئی تو مین نے پھر ڈبکی لگائی۔ لیکن خالی ہاتھ نکلا۔ تیسرا غوطہ اور لگایا تو بھی ناکام رہا۔ غرض ہار جھک مارکر کپڑے پہن اپنا سا منھ لے ہمراہیون کے ساتھ ساتھ واپس چلا آیا۔ مجکو دیوی جی اور اُنکی سیوکون کی نسبت تو تعجب تھا ہی اب یہ ماجرا

اُمیر اور طرہ ہو گیا۔ کچھ دیر تک سخت خلجان رہا۔ پھر کھانا کھایا اور آرام کیا۔ اتنے مین تیسرا پہر
ہو گیا۔ جی مین آیا کہ چلو گیان دیو جی کے درشن کرین۔ یہ اُس نواح کے سادھوون مین بہت
مشہور و معروف ہین۔ ایک پہاڑ کی چوٹی پر اپنی چھوٹی سی کُٹی مین رہتے ہین۔ جہان سے
کنچنی دیوی کا مندر اور آنند کنڈ دونون نیچے نظر آتے ہین اوپر صاف نکھرا آسمان ہے اور آفتاب
عالمتاب کی تجلی۔ سادھو جی ہین تو عمر رسیدہ مگر پھر بھی قوائے مضبوط اور جوانون سے ٹانٹے معلوم
ہوتے ہین۔ چہرہ سے نور الٰہی کی برکت جھلکتی ہے۔ تنہائی پسند بہت ہین اسلیے اُنکے
خلوت کدہ مین عوام کا گزر نہین ہونے پاتا بلکہ خاص خاص طالب صادق ہی اُنکی صحبت
مین باریاب ہوتے ہین۔ مین جو پہونچا تو کٹی کے اندر دوزانو بیٹھے تھے۔ مین بھی پرنام
کر کے بیٹھ گیا۔ مزاج پرسی کے بعد آنے کی غرض دریافت کی مین نے عرض کیا جناب!
مین عجب مخمصہ اور خلجان مین مبتلا ہون۔ امید ہے کہ آپ کی فیضان صحبت سے رفع ہو جائے
پھر مین نے دیوی جی کے مندر کی زیارت اور آنند کنڈ کی غواصی کا ماجرا من و عن سنایا تو
وہ ہنس پڑے اور کچھ باتین کرنے کے بعد ایک چھوٹی سی جیبی دوربین مجکو عنایت فرمائی
اور کہا کہ ابکی مرتبہ دیوی جی کے درشنون کو جاؤ تو یہ دوربین لگا کر دیکھنا اور آنند کنڈ پر پہونچو
تو اسی دوربین مین اوپر کی جانب نظر کرنا۔ کل ہمارے پاس پھر آنا اور جو کیفیت دکھائی دے
بیان کرنا بس اب رخصت۔ مین پرنام کر کے اُلٹے قدم واپس ہوا۔
رات کو جو درشنون کے لیے گیا تو گیان دیو جی کے فرمانے کے مطابق عمل کیا
اُس دوربین کے ذریعہ سے تو کچھ اور ہی کیفیت نظر آئی ؎

ورنہ دنیا کے بُدے دار الغرور		مے نماید نور نار و نار نور

اُس جگا جوت والی مورتی پر غور کیا تو نری مٹی کی۔ زرد رنگ مین رنگی ہوئی اور اُسپر

جلاکی ہوئی ہے۔ جسکو ہیئے کے اندھون نے سونا سمجھ رکھا ہے۔ اُن پری جمال سیوکون پر
جو نظر ڈالی تو ثابت ہوا کہ انکی اصلیت بھی یہی مٹی ہے مگر اس مٹی کا خمیر اور رنگ و روغن
دوسرے طور پر کیا گیا ہے جو مورتی کی ساخت سے بالکل جدا ہے۔ ان نازنینون کے
اندر صناع کامل نے ایک کل لگادی ہے جسکے ذریعہ سے وہ صاحب حس وحرکت اور
ذی فہم وادراک ہین۔ وہ کل بھی اُس دوربین کے ذریعہ سے نظر آتی تھی مگر ایسی باریک
تھی کہ اُسکی ماہیت وحقیقت کا سمجھنا امر محال ہے۔ غرض ان مٹی کی مورتون پر تمام
خلقت ایسی دیوانہ وشیدا ہو رہی تھی کہ گویا کوئی بھانگ پڑی ہے مجھے اُنکی غلط بینی پر
سخت افسوس آتا تھا اور مین دل ہی دل مین کہتا تھا۔ کاش یہ دوربین سب کے پاس
ہوتی! مین نے چاہا بھی کہ بعض آدمیون کو اصلی کیفیت دکھاؤن مگر وہ گروہ تھے عالم بیہوشی
مین دکھاتا کسے۔ مین نے جو اُس مجمع پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ایک صاحب اور بھی ایسی
ہی دوربین لگائے دیکھ رہے ہین مین سمجھ گیا کہ یہ گیان دیوجی کی عنایت کا صدقہ ہے
جو ہزارون مین کوئی ایک آدھ اصلی حالت کو معلوم کر پاتا ہے۔

دوسرے دن صبح کو مین آنند کنڈ پر پہونچا اور دوربین لگا کر اوپر کو دیکھا تو معلوم ہوا
کہ یہ پہاڑ جو لب تالاب کھڑا ہے اُسکی آڑ مین ایک اور بلند پہاڑ ہے۔ اُسکی چوٹی پر
ایک درخت ہے اُس درخت کی ایک شاخ تالاب کے اوپر جھکی ہوئی ہے جسمین
یہ نادر ہار لٹک رہا ہے۔ یہ جو تالاب مین نظر آتا ہے اُس ہار کا عکس ہے۔ درخت
اسقدر بلندی پر تھا کہ بغیر دوربین کی مدد کے خالی آنکھ سے ہار مطلق نظر نہ آتا تھا۔ اس
مشاہدہ نے میرا تحیر بالکل رفع کردیا ؎

انچہ در دنیا فتادند این قرون	عکس خود دیدند در آب اندرون

دن ڈھلے مین گیان دیوجی کی خدمت مین حاضر ہوا اور اُنکی مہربانی کا بہت بہت شکریہ ادا کرکے مین نے عرض کیا کہ آپ یہ دوربین مجکو عطا نہ فرماتے تو عمر بھر میرا شک رفع نہوتا مسکرا کر فرمایا اسکو بحفاظت تمام اپنے پاس رکھو یہ تمکو ہرشے کی ماہیت سمجھنے مین مدد دے گی پھر کہنے لگے کہ یون تو ہر شخص آنند کا متلاشی رہتا ہے مگر غلطی نظر سے اُسکو وہان تلاش کرتا ہے جہان وہ قطعاً نہین ہے آنند دراصل روح مین ہے۔ اُسکا عکس پڑتا ہے من کے تالاب مین جو تہ کے اندر یعنی اشیاے عالم مین نظر آتا ہے۔ انسان تمام عمر آنند کی جستجو مین غوطہ زنی کرتا اور تہ کی طرف جاتا ہے کیسی کیسی آفتین جھیلتا ہے پھر بھی اُسکو نہین پاتا البتہ گیان کی دوربین لگا کر دیکھے تو پتا لگے کہ دراصل آنند کہان ہے اور جب اُسکی اصلی جگہ معلوم ہوگئی تو پھر معقول طور پر سعی وکوشش کرنے سے مل بھی سکتا ہے ؎

ڈھونڈھتا ہے توکدھر یار کو میرے اے ماہ	منزل شش در دل ماہست لب بام نہین
چلنا چلنا سب کہین پہونچے برلا کوے	اک کنچن اک کامنی دُرلبھ گھاٹی دوے

غور کیجیے تو ہرایک شے کی دو قیمتین ہوتی ہین ایک اصلی دوسری فرضی مثلاً ہزار روپیہ کا نوٹ ہے۔ اُسکی اصلی قیمت تو وہی کاغذ کے پرزہ کی قیمت ہے کیونکہ کاغذ ہی نوٹ کی اصل ہے۔ مگر فرضی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے علی ہذا ایک طلائی مورت یا حسین جسم کی اصلی قیمت اسقدر مٹی کی قیمت کے برابر ہے جو اُنکی ساخت مین صرف ہوئی ہے کیونکہ وہی مٹی اُنکی اصل ہے مگر سونے کی فرضی قیمت مٹی کی قیمت سے بدرجہا زیادہ ہے اور حسین جسم کی فرضی قیمت کا تو کچھ اندازہ ہی نہین ہو سکتا۔ گاہک کے دلی شوق اور میلان طبع پر موقوف ہے ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ	نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ہان تو اس بیان سے ہماری غرض یہ ہے کہ طالب حق کو اشیا کی اصلی قیمت مدنظر رکھنی چاہیے کیونکہ اُسکا مقصد ٹھہرا حصول حق یعنی اصل کُل۔ تو ضرور ہے کہ اصلی قیمت کی جانچ مین دھوکا نہ کھائے گو بظاہر معاملات دنیا مین فرضی قیمت سے کام لے۔ اکثر آدمی فرضی کو اصلی قیمت سمجھکر فریب مین آجاتے اور سخت خسارہ اُٹھاتے ہین۔

دو غلطیان نہایت عام ہین ایک یہ کہ ہے کچھ اور سمجھتے ہین کچھ دوم یہ کہ ہے کہین اور تلاش کرتے ہین کہین۔ دیوی جی کا مندر پہلی غلطی کی مثال ہے اور آنند کنڈ دوسری کی۔ اور یہ غلطیان اُسوقت تک باقی رہتی ہین جب تک کہ انسان نام اور روپ کے جال مین پھنس رہا ہے۔ البتہ جو اس جال سے نکل گیا تو پھر کام کرودھ لوبھ موہ سے اُسکا دل پاک ہوجاتا ہے اور روح سے محبت صادق کا چشمہ ابلنے لگتا ہے تب انسان قابل عنایت ایزدی ہوتا ہے ؎

کنچن کو مرتکا کر مانی	کامن مرت پنڈ پہچانی
تلسی چھوٹ گئے بھرم دوئی	کر پا پاتر رگھنا یک سوئی

فصل ہفتم

مسئلہ جبر و قدر

ایک بار سوامی جی مہاراج کی خدمت مین مَین نے عرض کیا کہ ایک شعر ہے ؎

چلا تھا کعبہ کی سمت کو مین تو میکدے مین ہوا گزارا
کھلا یہ اُسوقت راز مجکو کسی کے مین اختیار مین ہون

مضمون شعر سے ظاہر ہے کہ اسکا قائل جبری ہے۔ مگر بعض کا مشرب اسکے خلاف ہے

وہ انسان کو اپنے افعال مین مختار سمجھتے ہین اور وہ قدری کہلاتے ہین۔ سو مہاراج اس
جبر و قدر کے مسئلہ مین مجکو سخت تشویش ہے کسی طرف عقل قائم نہین ہوتی کیونکہ روزمرہ
ایسی مثالین دیکھتے ہین کہ آدمی جو چاہتا ہے سو کر گذرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھنے
مین آتا ہے کہ انسان ایک کام کے لیے جی جان سے کوشش کرتا ہے اور کوئی
دقیقہ اُٹھا نہین رکھتا پھر بھی ناکام رہتا ہے۔ براہ مہربانی اس مسئلہ کی حقیقت سمجھا دیجیے
تاکہ میرے دل کی دُبدا مٹ جائے سوامی جی نے فرمایا واہ! یہ تو آپ نے سب
سوالون کا نگر دادا پوچھا جسکے جواب مین زبان کہتے کہتے اور کان سنتے سنتے تھک
جائین اور لکھنے بیٹھو تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائین تاہم یہی کہتے بنے کہ ہنوز دہلی دور۔
سنو جی یہ مسئلہ ٹھیک ٹھیک تو اُسوقت حل ہوتا ہے جبکہ انسان بہت کچھ روحانی ترقی
حاصل کر چکتا ہے اور اُن مقامات سے عبور کر جاتا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق ہین
کیونکہ حواس ظاہری سے ان مقامات کا علم ہو نہین سکتا لیکن مین آپ کو بالکل مایوس
کرنا بھی نہین چاہتا اسلیے مختصر طور پر حکمائے متقدمین کی رائے بیان کرتا ہون جس سے
اس مسئلہ کی نسبت کچھ اجمالی واقفیت آپ کو ہو جائیگی اور وہ تحقیقات آئندہ مین مدد دیگی۔
مہا پرلے کا وقت ہے وشنو جی مہاراج شیش جی کو بستر بنائے سو رہے ہین
اور لچھمین جی اُنکے پاؤن دبا رہی ہین۔ اسکے یہ معنی ہین کہ صرف ایک ذات واحد
باقی ہے۔ کل عالم اُس مین فنا ہو گیا ہے۔ اور وہ قوت جو کل کائنات کو چلا رہی تھی
مہاراج کی خدمت مین حاضر ہے۔ لچھمین جی یعنی مایا جو سنسار کی موجد ہے اُسوقت
اپنے کارن مین سلے ہو گئی ہے۔ نہ زمین ہے نہ آسمان نہ عالم ہے نہ مخلوقات نہ
دن ہے نہ رات۔ نہ چاند ہے نہ سورج۔ نہ بہشت ہے نہ دوزخ۔ نہ عالم ہے نہ معلوم۔

صرف ذاتِ واحد موجود ہے جو اپنے کل ظہور کو اپنے آپ مین محو کیے ہوے ہے۔ اُس وقت کی کیفیت کی ادراک سے تخیل و تصور قیاس و گمان عاجز ہے ع نہ وہان حواس پہونچین نہ خرد کو ہے رسائی + ویدون مین اس ذات کو نیتی نیتی (یہ نہین یہ نہین) الفاظ نفی سے تعبیر کیا ہے نہ الفاظ اثبات سے ؎

زلا مگزر اگر اسرار بینی	تو از لا نقطہ و پرکار بینی

ہان اتنا ضرور سمجھ مین آتا ہے کہ آخرکار اس عالم کا کوئی آدھار یعنی سہارا ضرور ہے جہان سے وہ مثل امواج دریا وقتاً فوقتاً ظہور مین آتا ہے پس وہی ایک ذات واحد ہے محیطِ کل ازلی و ابدی۔ ہر قسم کے تعینات سے مبرا۔ اُسی کو ویدانت مین پرم برہم اور تصوف مین ذاتِ بحت کہا گیا ہے جب ظہور کا وقت آتا ہے تو اُس مین ایک مرکز قائم ہوتا ہے جسکو سگُن برہم کہتے ہین۔ کیونکہ وہ ست چت آنند کے گن یعنی صفات مین متجلی ہوکر اپنی قوت ارادی سے تمام عالم کو پیدا کرتا ہے۔ اُسی کو ایشر کہتے ہین جو کہ عالم کو پیدا کرنیکے لحاظ سے برہما اور اُسکو قائم رکھنے کے لحاظ سے وشنو اور اُسکو فنا کرنے کے لحاظ سے شیو کے نام سے پکارا جاتا ہے سگن برہم کے ظہور کے ساتھ ہی پرکرتی یعنی مادہ لطیف کا ظہور ہوتا ہے۔ جو کچھ اس عالم مین ہونے والا ہے اُسکا نقشہ اول برہما تجویز کرتا ہے پھر اُسکے منشا کے مطابق اُسکی چیتن شکتی کل عالم کو پیدا کرتی ہے اس طور سے کہ اول وہ پرکرتی کو تحریک دیکر سات طبقون مین منقسم کرتی ہے پھر اُنہین انواع و اقسام کی مخلوق پیدا کرتی ہے۔ جو درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی طبقات ادنی سے طبقاتِ اعلی کو عروج کرتے ہین۔ ایجاد عالم سے ایشر کا منشا یہ ہے کہ مین ایک ہون انیک ہوجاؤن یعنی مثل میرے تینون صفات مین کامل مخلوق اس

عالم مین سے برآمد ہوکر سرور سرمدی سے فیض یاب ہوے

تاشاد کنم آن دگرے راکہ منم	خود را بہ تکلف دگرے ساختہ ام

چنانچہ ارادہ الٓہی کے موافق کل مخلوقات ترقی کرتی ہوئی اس سدرشن کے میلہ مین اپنے مرجع اصلی کی طرف چلی جارہی ہے

بازاز پستی سوے بالا شدیم	ازجہان زندہ اول آمدیم
ناطقان کانا الیہ راجعون	جملہ اجزا در تحرک در سکون

اس غرض سے کہ چیتن شکتی مین تعین پیدا ہو جائے اُسکو جسم کے ساتھ وابستہ کردیا ہے چنانچہ روح وجسم کے اجتماع سے ایک انانیت یا خودی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ خودی روح کو قید جسمانی مین پھنسا کر اس عالم کا تماشا دکھاتی ہے۔ جب وہ اس تماشے سے سیر ہوجاتی ہے تو بذریعہ ترک وتجرید اس قید سے رہائی حاصل کرتی ہے تب خودی دور ہوکر اسمین انانیت اعلی ظہور کرتی ہے جو کسی وقت انا الحق کا نعرہ مارتی ہے

آن انا مکشوف شد بعد از فنا	از تفکر کشف گے شد آن انا
فہم آن موقوف شد بر مرگ مرد	آن انائے نے کہ عقلش فہم کرد
شد ز سو در بے سوئی در عین وصل	گشتہ دریاے دوئی در عین وصل
شد خطاب و خطاب ذوالجلال	بلکہ وحدت گشتہ او را در وصال
تا شود بر دار شہرت او سوار	بعد ازان گوید حقم منصور وار
مقبل اندر جستجو ماہر شود	تاچنین سر درجہان ظاہر شود

پس جسم کے ساتھ چسپیدگی یعنی خودی دور ہوکر روح مین انانیت اعلی قائم ہونا یہی منشا ہے کارساز حقیقی کا خلقتِ انسان سے۔ اسلیے جو خودی دور کرتا ہے وہ اپنے خالق کے

ارادہ کو پورا کرتا اور اپنی سرشت کا منشا انجام دیتا ہے اور بقاے دوام حاصل کر کے سرفرو
سرمدی کا حظ اُٹھاتا ہے۔ اور جو شخص اسکے خلاف کرتا ہے وہ اپنے تئین عذاب الیم کا
سزاوار بناتا ہے اور آخر کار اُسکو بھی وہی کرنا پڑتا ہے جو اُسکی سرشت کی علت غائی ہے ؎

آنچہ دانا کند کند نادان	لیک بعد از ہزار رسوائی

منشاے الٰہی کے مطابق کام کرنا دھرم کہلاتا ہے اور اُسکے خلاف ادھرم۔ دھرم
کے وسیلہ سے انسان طبقات اعلیٰ کی طرف عروج کرتا ہے اور ادھرم سے اسفل کی
طرف نزول پس دھرم و ادھرم کو بخوبی سمجھنا اور اُسپر عمل کرنا لازم ہے کیونکہ روحانی
ترقی و تنزل اسی پر موقوف ہے۔ اسکے بعد دو مسئلے کرم اور آواگون کے بھی جاننے
چاہیین کیونکہ اُنکے سمجھے بغیر انسان بہت غلطی کرتا اور مسئلہ جبر و قدر کو ہرگز نہین
سمجھ سکتا۔ مگر ان مسائل کے بیان سے پہلے یہ بات قابل غور ہے کہ تمام طبقات عالم
لطیف ہون یا کثیف قوانین قدرت سے منضبط ہین۔ کوئی کارروائی خلاف ضابطہ نہین
پائی جاتی۔ عالم مادی کی تحقیقات سے ظاہر ہے کہ اس عالم کثیف کا ہر ذرہ پابند ضوابط ہے
اگر ہمکو کوئی امر خلاف ضابطہ معلوم ہو تو وہ ہماری لاعلمی ہے۔ اسیطرح طبقات اعلیٰ مین بھی
سمجھنا چاہیے۔ دوم یہ کہ قوانین قدرت اٹل ہین کبھی تبدیل نہین ہوتے۔ کیونکہ وہ اُس
عقل کل سے نافذ ہوئے ہین جو تغیر و تبدل سے مبرا ہے۔ ان دو اصول کے سمجھ لینے سے
یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جسقدر انسان کو ان قوانین استمراری سے زیادہ وقفیت ہوگی اُسی قدر وہ
اپنے تئین محفوظ کر سکیگا اور روحانی ترقی کر کے اپنی سرشت کا منشا انجام دینے مین کامیاب ہوگا۔

مسئلہ کرم

کرم کے معنی ہین فعل مگر برہم ودیا یعنی علم الٰہیات کی اصطلاح مین اس لفظ سے علت و

معلول کا سلسلہ مراد ہوتا ہے۔ یہ قانون قدرت کل واقعات عالم اور انسان کے ظاہری وباطنی افعال پر حاوی ہے۔ یہ عالمگیر آئین ایسا محیط ہے کہ ایک ذرہ عالم بھی اُسکے تصرف سے باہر نہین جاسکتا۔ یہ قانون اُس عدل مطلق پر مبنی ہے جسکو سفارش یا خوشامد یا رشوت اپنی جگہ سے ہلا نہین سکتی۔ تمام عالم کی آفرینش اسی قانون کے مطابق ہوتی ہے اور انسان کے ظاہری وباطنی افعال کے نتائج اسی قانون کے بموجب عمل مین آتے ہین۔ یہان ہم اس قانون کا صرف وہ حصہ بیان کرینگے جو انسان سے متعلق ہے کیونکہ کل مضمون کرم تو ایسا وسیع ہے کہ اُسکی تشریح کو دفتر چاہیے۔

ہم اس عالم مین حالات انسان کے اندر غایت درجہ کا اختلاف پاتے ہین۔ ایک ذہین ہے تو دوسرا غبی۔ ایک امیر ہے تو دوسرا غریب۔ ایک خوش ہے تو دوسرا مغموم ایک نیک ہے تو دوسرا بد۔ ایک تندرست ہے تو دوسرا بیمار۔ ایک عالم ہے تو دوسرا جاہل وغیرہ وغیرہ اس اختلاف کی کوئی وجہ ہونی چاہیے کیونکہ معلول بلا علت ہو نہین سکتا سو وجوہات جو بیان کی جاتی ہین وہ بھی مختلف ہین۔ ایک فریق کہتا ہے کہ خدا کی مرضی جیسا چاہا ویسا کیا۔ وہ قادر مطلق ہے کسی قاعدہ ضابطہ کا پابند نہین لیکن اسکی کچھ وجہ بیان نہین کی جاتی کہ ایک شخص کو وہ کیون اچھی حالت مین پیدا کرتا ہے اور دوسرے کو بلا وجہ کیون مصیبت مین ڈالتا ہے۔ یہ اُسکے انصاف اور اُسکی حق پسندی کے خلاف ہے دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یہ اختلاف کسی قاعدہ پر مبنی نہین بلکہ اتفاقیہ ہے۔ مگر جب ہم کل عالم کو پابند ضوابط پاتے ہین تو یہ کسطرح مان لین کہ حالات انسان کسی قاعدہ ضابطہ پر مبنی نہین۔ اصل یہ ہے کہ

از مکافات عمل غافل مشو		گندم از گندم بروید جو ز جو

جو کوئی جیسے اعمال کرتا ہے ویسے ہی نتیجے پاتا ہے۔ نیک اعمال کا بدلہ نیک اور بد کا بد ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ہم نیکون کو تکلیف مین اور بدون کو آسایش مین دیکھکر اس کلیہ کی نسبت شبہہ مین پڑجاتے ہین۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہماری نظر دور بین نہین ہے جو بیج آج بویا جاتا ہے۔ وہ آج ہی نہین اوگتا۔ بلکہ مدتہاے مدید کے بعد جب اسکو آب وہوا موافق ملتی ہے پھوٹ نکلتا ہے۔ اسی طرح نتیجۂ اعمال موفقت حالات پر موقوف ہے حال کے اعمال نیک یا بد گذشتہ اعمال کے نتائج کو دور نہین کر سکتے۔ ہان اُنکا نتیجہ ضرور ملیگا۔ جب کہ حالات نتیجہ کے موزون و موافق اور مددگار ہونگے۔ خواہ اِس زندگی مین ہون خواہ کسی آیندہ زندگی مین بہرحال اعمال کے نتیجون سے انسان کسیطرح بچ نہین سکتا۔

کرم دو قسم کے ہوتے ہین ایک تو مانسِک جو صرف من سے کیے جاتے ہین یعنی افعالِ قلوب دوسرے شاریرک جو شریر و من دونون سے کیے جاتے ہین شاریرک کرم کے دو جز ہوتے ہین۔ ایک تو فعل جسمانی جو جسم کے کسی حصہ سے سرزد ہوا۔ دوم نیت یا ارادہ جسکی وجہ سے وہ فعل کیا گیا جسمانی فعل کی نیکی یا بدی اسپر موقوف ہے کہ اُس سے کسی کو نفع یا نقصان پہونچے۔ نیت کی نیکی یا بدی اسپر موقوف ہے کہ اُسمین دوسرون کی غرض ملحوظ تھی یا خود غرضی پس کل شاریرک کرم بلحاظ نیت و فعل چار قسم کے ہوتے ہین۔ اوّل وہ جنمین نیت و فعل دونون نیک ہین دوم وہ جنمین نیت نیک ہے اور فعل بد۔ سوم وہ جنمین نیت بد ہے اور فعل نیک۔ چہارم وہ جنمین نیت و فعل دونون بد ہین۔ اوّل قسم کے کرم اُن نیک دل انسانون سے ظہور مین آتے ہین جنکا علم و عمل بوجہ صفائی قلب بہت صحیح ہوتا ہے ایسے نیک نفس لوگون سے نوعِ انسان کو بہت نفع پہونچتا ہے اور وہ اکثر اپنے ہم جنسون کی تہذیب

وتعلیم اور بہبودی مین مصروف رہتے ہین۔ دوسری قسم کے کرم اُن انسانون سے سرزد
ہوتے ہین جنکی نیت تو نیک ہے مگر بوجہ کم علمی فعل بد کے مرتکب ہوتے ہین مثلاً مذہبی
تعصب سے ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو صدہا قسم کے آزار پہونچاتا ہے تاریخ کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر ظلم وخونریزی اس جہالت کی وجہ سے عمل مین آئی
ہے متعصب آدمی یہ سمجھتے ہین کہ دیگر مذاہب کے انسان کافر ہین لہذا واجب القتل ہین
زیادہ جینے سے زیادہ گناہون کے مرتکب ہونگے پس قتل سے اُنکا بھی نفع ہے
اور دینداروں کو بھی عبرت۔ لیکن جب کافر اُنکا مذہب اختیار کر لیتے ہین تو وہ اُنکے
ساتھ برادرانہ برتاؤ کرنے لگتے ہین کیونکہ اُنسے خصومت تو تھی ہی نہین صرف اُنکی
نفع رسانی مد نظر تھی۔ تیسری قسم کے کرم وہ شخص کرتے ہین جو بظاہر تو دوسرون کو نفع
پہونچاتے ہین مگر اپنی ذاتی غرض اُنمین پوشیدہ رکھتے ہین۔ اکثر دیندار بھی اور دنیا دار
بھی خیر خیرات کے ذریعہ سے صدہا آدمیون کو فائدہ پہونچاتے ہین مگر دلی منشا اظہار
دینداری اور حصول شہرت و نیکنامی کے سوا کچھ نہین ہوتا۔ چوتھی قسم کے کرم نہایت
رزیل اور بد نہاد آدمیون سے سرزد ہوتے ہین جو محض اپنی اغراض نفسانی کیلیے
لوگون کو مضرت واذیت پہونچاتے ہین ۔ ریاست وسلطنت کے لیے بیٹا باپ کو
باپ بیٹے کو بھائی بھائی کو ہلاک کرتا ہے۔ سجادہ نشینی کی طمع سے چیلے گرو کو
مار ڈالتے ہین۔ دولت کی غرض سے ہزارون خونریزیان ہوتی ہین۔ الحاصل جو اشخاص
بلا غرض اورون کو نفع پہونچاتے ہین وہ فرشتے ہین۔ جو اپنی غرض کے لیے دوسرون کا
بھلا کرتے ہین وہ انسان ہین۔ جو اپنی غرض کے لیے دوسرون کو ضرر پہونچاتے
ہین۔ وہ بہائم ہین۔ جو بلا غرض دوسرون کو ضرر پہونچاتے ہین وہ شیطان ہین تو اب

انسان کو فرشتہ خو بننے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ شیطان ہونے کی۔ چونکہ ہمکو علم کل نہین اسواسطے ہمارے افعال جسمانی مین غلطی کا ہوجانا ممکن ہے لیکن نیت ہمارے اختیار مین ہے۔ اُسکو ہمیشہ نیک و پاک رکھنا چاہیے۔ اگر نیت نیک ہوگی تو علم صحیح بوجہ صفائی قلب آخر کار ہمکو حاصل ہوجائیگا۔ نیت کی بدی قلب کو سیاہ کردیتی ہے پھر اُسمین علم صحیح کے قبول کرنے کی قابلیت ہی نہین رہتی۔

انسان کی جسمانی حالت نتیجہ ہے اُسکے گذشتہ افعال جسمانی کا۔ اگر نیک تھی تو راحت ہے۔ بد تھی تو تکلیف ہے یعنی اُسنے جسقدر دوسرون کو جسمانی دکھ یا سکھ پہونچایا تھا اُسی قدر اُسکو جسمانی دکھ یا سکھ پہونچ رہا ہے مثلاً کسی نے خیرات کے ذریعہ سے بہت سے انسانون کو آرام پہونچایا ہے گو اُسکی نیت کیسی ہی ہو تو اُسکے بدلہ مین اُسکو بھی آرام پہونچتا ہے۔ قوانین قدرت جو انصاف پر مبنی ہین اُسکو اُسکے قرضۂ یافتنی سے محروم نہین کرسکتی۔ نیت کا نتیجہ نیک طینتی یا بدطینتی ہوتا ہے۔ پس انسان جو افعال بذریعہ قلب کرتا ہے اُسکا نتیجہ بذریعۂ قلب اور جو بذریعہ جسم کرتا ہے اسکا نتیجہ بذریعہ جسم پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس عالم مین عجب کیفیت دیکھتے ہین۔ بہت سے خوش حال آدمی ہین جنکو طرح طرح کی آسایش جسمانی حاصل ہے مگر اُنکے دل حسد و بغض وغیرہ سے ایسے خراب ہو رہے ہین کہ اُنکی زندگی تلخ ہے۔ برخلاف اسکے بہتیرے ایسے ہین کہ جسمانی راحتون کی طرف سے تو بالکل ٹوٹے مین ہین مگر اُنکے دل پاک صاف ہین اور وہ اپنی کھال مین مست اور چمڑے مین مگن ہین۔

انسان کے تمام افعال مین کچھ نہ کچھ تعلق خودی کا رہتا ہے اسلیے اسکی سزا و جزا پانے کا بھی مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ خودی ہے تو خواہش بھی ضرور ہوگی اور خواہش ہی

فعل کو نتیجہ سے وابستہ کرتی ہے۔ گویا خواہش ایک رسّی ہی کرم اور پھل کی باندھنے والی
اسی واسطے بھگوت گیتا مین لکھا ہے کہ جس شخص کو کرم بندھن سے چھوٹنا منظور ہو وہ
نشکام کرم کرے یعنی اپنے کل فرائض بلا خواہش ذاتی ادا کرے۔ کیونکہ جب خواہش
کی رسی ٹوٹ جاتی ہے تو کرم سے اُسکے نتیجے جدا ہو جاتے ہین اور انسان کرم بندھن
سے چھوٹ جاتا ہے بعض صاحبون کا یہ خیال ہے کہ کرم کے تیاگ یعنی ترک سے
انسان کرم بندھن سے چھُٹ جاتا ہے مگر یہ اُنکی خام خیالی ہے۔ اول تو کُل کرم چھوٹ
ہی نہین سکتے۔ دوم کرم مین جو خودی کا تعلق ہے اُس سے کرم بندھن ہوتا ہے
نہ کہ محض کرم سے۔ اسلیے کرم بندھن کرم ہی سے چھوٹتا ہے نہ کرم کے تیاگ سے۔
اس تقریر کو سنکر مین نے سوامی جی سے سوال کیا کہ جب فعل ہو چکا اور اُسکو ہوئے
ایک مدت گزر چکی اور وہ خواہش بھی جسکی وجہ سے فعل کیا گیا تھا دور ہو گئی تو وہ فعل
اب یا آیندہ نتیجہ کیونکر پیدا کریگا جب اُسکا وجود ہی نرہا تو نتیجہ کیسا؟ اسپر سوامی جی نے فرمایا
نہین نہین افعال معدوم نہین ہوتے بلکہ ہر شخص کے گرد ایک تجس یعنی نور لطیف
رہتا ہے جسکو بیضۂ مقناطیسی بھی کہتے ہین۔ نیک و بد خیالات و افعال سے اُس تجس
کی رنگت مین ہر لمحہ تبدیلیان ہوتی رہتی ہین۔ ستوگنی خیالات و افعال دھرم۔ ویراگ۔
محبت۔ ہمدردی وغیرہ سے وہ سنہری روشن اور نہایت خوش رنگ ہو جاتا ہے۔
رجوگنی خیالات و افعال مثلاً طمع۔ غصہ۔ حسد بغض وغیرہ سے وہ سرخ ہو جاتا ہے۔
تموگنی خیالات و افعال جیسے شرابخواری۔ تکبر تعصب۔ خوف وغیرہ سے وہ سیاہ
ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف خیالات و خواہشات کی تیزی و ملایمت کے لحاظ سے
صدہا قسم کے درمیانی رنگ اُسمین پیدا ہو جاتے ہین۔ یہ تجس ہمیشہ انسان کے ساتھ

رہتا ہے اور وہ ایسے لطیف مادہ کا ہوتا ہے کہ حواس کثیف سے محسوس نہین ہوتا
بلکہ حواس لطیف ہی اُسکو معلوم کرسکتے ہین۔ جنکی چشم بصیرت کھل گئی ہے وہ انسان کو
دیکھتے ہی پہچان لیتے ہین کہ اُسکے خیالات وافعال کیسے ہین۔ وہ روحانی ترقی
یا تنزل کے کس درجہ مین ہے اور کونسا گُن اُسمین ترقی پر ہے پس انسان کے
خیالات وافعال کا رجسٹر ہمیشہ اُسکے ساتھ رہتا ہے یہ ہی دھرم راے کا دفتر ہے۔
اسی کا نام نامۂ اعمال ہے۔ اسی کے مطابق افعال کے نتائج ہوتے ہین۔ ہان تو
افعال کی مناسبت سے جو رنگ تیجس مین موجود ہے وہ دور نہین ہوتا وقتیکہ افعال
کے نتائج قوانین کرم کے مطابق نہ مل چکین۔ جب انسان نے اپنے افعال کا نتیجہ
یعنی دکھ سکھ بھگت لیا تو وہ رنگ بھی تیجس مین سے دور ہوجاتا ہے۔ پس انسان کیسا ہی
بدحال وبداعمال ہو نتیجہ بھگتنے کے بعد وہ پاک ہوجاتا ہے اور نیک افعالی وروحانی
ترقی کی قابلیت اُسمین آجاتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے آیندہ افعال سے اپنے تیجس کو
خراب نہ کرے۔ یہ تیجس انسان کی روحانی ترقی مین مددگار بھی ہوتا ہے اور سدّ راہ بھی
کیونکہ جیسی جیسی رنگتین اچھی یا بُری اس تیجس مین بدلتی ہین ویسے ہی آدمی کے خیالات
اور دل ودماغ وجسم وغیرہ تبدیل ہوجاتے ہین۔ یہ تیجس نہ صرف اپنے مالک ہی کی ترقی یا تنزل
کا مددگار ہوتا ہے بلکہ اُسکے عزیز واقارب پر اور اُسکے دوست و احباب پر بھی اپنا اثر ڈالتا
ہے۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے افعال وخیالات کی اصلاح پر متوجہ رہے اسی
خود اُسکی اور نیز اُسکے خویش واقارب کی اور اُسکے احباب و اصحاب کی ترقی منحصر ہے
سادھو مہاتماؤن کے ست سنگ سے جو فیض وفائدہ انسان کو پہونچتا ہے وہ صرف
اُنکے اپدیش یا اُنکی تعلیم پر ہی محدود نہین بلکہ اُنکے ہمنشینون پر اُنکے پاک وخوش رنگ

تیجس کی تاثیر ایسی پڑتی ہے کہ اُنکے دل بھی نیک و پاک ہوجاتے ہین ؎

آنکہ پاکیزہ دل ست ار بہ نشیند خاموش	ہمہ از سیرت صافیش نصیحت شنوند
اندرین یم ماہیانِ پر فسند	مار را از سحر ماہی می کنند
گر تو ماری شو قرینِ ماہیان	تا شوی چون ماہیان دریم روان
از ظلال غالبان غالب شوی	وز جوارِ طالبان طالب شوی
یک زمانے صحبتے با اولیا	بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

لہذا ست سنگ کی عظمت ہر مذہب مین بیان کی گئی ہے ؎

سگِ اصحاب کہف روزے چند	پے نیکان گرفت مردم شد

اور جسطرح صحبت نیک کا نتیجہ نیک ہوتا ہے اُسی طرح صحبت بد کا اثر بد ہوتا ہے ؎

ہر کہ با دونان نشیند ہمچو دونان دون شود	ہر کہ با اہلان نشیند عقل او افزون شود
اسپ را با خر بہ بندی مدتی یک جا بہم	رنگ شان ہمگون نگردد خوی شان ہمگون شود

پس آدمی کو چاہیے کہ صحبت بد سے پرہیز کرے اسکے یہ معنی نہین ہین کہ بدون سے محبت و ہمدردی نہ کرو۔ بیشک از راہ ترحم و غمخواری اس زبون حالت سے نکلنے مین اُنکی مدد کرو پند و نصائح کے ذریعہ سے اُنکو راہ راست پر لانے کی کوشش کرو مگر جب تک وہ اپنے اطوار بد سے باز نہ آئین اُنکی صحبت سے کنارہ کشی ہی اولیٰ ہے۔ یہ خیال کہ ہم پاک ہین ناقصون کے قرب سے ہماری پاکیزگی مین خلل آجائیگا۔ انسان کی روحانی ترقی مین بہت مانع ہوتا ہے۔ اگر ہمارا بھائی یا بیٹا بدراہ ہو تو کیا ہم یہ کوشش نہین کرتے کہ وہ کسی طرح راہ پر آئے اور سنور جائے۔ بس ایسا ہی برادرانہ برتاؤ ہر فرد بشر کے ساتھ ہونا چاہیے ؎

بنی آدم اعضاے یک دیگراند	کہ در آفرینش زیک جوہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضوہا را نماند قرار

ہمکو اپنی پاکیزگی اتنی بڑھانی چاہیے کہ ہمارے پاک تجبس کا اثر اوروں کے ناقص تجبس پر غالب رہے کیونکہ زبردست ہمیشہ کمزور کو دبا لیتا ہے۔ چنانچہ ناقص آدمی جب کسی سادھو مہاتما کی خدمت مین جاتے ہین تو اُنکے خیالات پر ایک عمدہ اثر پڑتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جس شخص مین جو خیال زبردست ہوگا اُسکی تاثیر دوسرون کو بھی ضرور محسوس ہوگی مثلاً کسی سادھو کے پاس جانے سے دل مین بھگتی یا ویراگ معلوم ہو تو سمجھ لو کہ اُسمین اسی خیال کی زیادتی ہے۔ ہمکو اپنے خیالات اس درجہ نیک و پاک بنانے چاہیین کہ دوسرون کو ہمارے پاس آتے ہی نفع محسوس ہو اور اُنکے ناقص خیالات بدلجائین۔ بھوت پریت وغیرہ کسی شخص پر آتے ہون تو پاک روحانی شخصون کے آتے ہی وہ بھاگ جاتے ہین۔ اسی طرح ناقص خیالات کے بھوت پاک دل آدمیون کے فیضان صحبت سے کافور ہو جاتے ہین۔ پس لوگون مین جو افعال و خیالات ناقص پائے جاتے ہین وہ اصل مین ہمارا ہی قصور ہے اگر ہمارے خیالات پاکیزگی مین کامل ہون تو ممکن نہین کہ ہمارے متعلقین و مقربین و اصحاب و احباب کے خیالات ناقص رہ سکین۔

یہ جو افعال ظاہری ہین حقیقت مین یہ خیالات باطنی کے خول ہین اسلیے اول خیالات کی اصلاح کرنی چاہیے۔ وہ ٹھیک ہو جائین تو افعال خود ٹھیک ہو جاتے ہین۔ چونکہ ہماری اور نیز ہمارے ہمجنسون کی روحانی ترقی محض ہمارے خیالات کی پاکیزگی وصفائی پر موقوف ہے اسلیے ہمکو چاہیے کہ خود غرضی کے خیالات کو دور کر کے دوسرون کی نفع رسانی مین مشغول رہین اور خیالات نیک کے ذریعہ سے اپنے آپکو

ایسا نیک و پاک بنائین کہ ہمارے بنی نوع بھی مثل ہمارے پاک دل بنجائین کچھ شک نہین کہ ایک سچے سادھو سے تمام ملک کو نفع پہونچتا ہے کیونکہ اُسکے پاک و منور تیجس کا اثر ملک بھر مین پھیلتا ہے۔ تیجس کے اثر کی وسعت اُسکی پاکیزگی وصفائی پر موقوف ہے اگر وہ بالکل پاک صاف ہے تو وہ ایسا تیرتھ ہے جسکے پاس پہونچتے ہی انسانونکے دل نیک و پاک ہوجاتے ہین بلکہ خود تیرتھ بھی اُسکی برکت سے مقدس و مشرف بنجاتے ہین۔ مال و دولت کے ذریعہ سے ہم ابنائے جنس کو صرف جسمانی امداد پہونچا سکتے ہین نہ کہ روحانی اسلیے جو شخص بنی نوع کا سچا دوست و مددگار بننا چاہے اُسکو اپنا تیجس پاک و منور بنانا چاہیے تاکہ روحانی مدد پہونچا سکے۔ کاملین کا تیجس ایسا خوش رنگ و منور ہوتا ہے کہ بغیر مشاہدہ کے اُسکا وصف سمجھ مین نہین آسکتا۔ دیوتاؤن کی تصویرین تو تمنے دیکھی ہونگی وہ جو سر کے گرد ایک نورانی حلقہ سا بنا رہتا ہے بس وہ تیجس ہی کا نشان ہے سر کے گرد کا تیجس دیگر اعضا کی نسبت زیادہ روشن ہوتا ہے اور جب چشم بصیرت کھلتی ہے تو پہلے یہ ہی حلقہ نظر آتا ہے ؎

برسر و بر گردنم مانند طوق	نور او در یمن و یسر و تحت و فوق

جب تک انسان کے دل مین مختلف خواہشین باقی رہتی ہین اُسوقت تک تیجس مین بھی مختلف رنگ رہتے ہین۔ مگر جہان خودی مٹی اور خواہشون سے دل پاک ہوا پھر تو یہ تیجس یک رنگ منور طلائی ہوجاتا ہے ؎

تا بہ بینی سبز و سرخ و زرد را	در درونِ خود بیفزا درد را
گوہران بینی بجاے سنگہا	رنگہا بینی بجز این رنگہا
می نماید این چنین رنگین بما	شیشہ ہائے رنگ رنگ آن نور را

چون نماند شیشہاے رنگ رنگ	نور بے رنگت کند ناگاہ دنگ

بال او ستھا بہو رنگ چُنری یک رنگ نا ہ سہائی ؎
جو بن پائے یک رنگ چُنری تبہی پیا سنگ جائی

اس موقع پر مین نے سوامی جی سے سوال کیا کہ اگر قانون کرم ایسا سخت ہے کہ انسان نتائج اعمال سے کسی طرح بچ ہی نہین سکتا اور سفارش یا منت وزاری اس قانون کو توڑ یا موڑ نہین سکتی تو معافی گناہ کے کچھ معنی نہ رہے۔ دعا بھی نکمی۔ توبہ بھی بیکار۔ حالانکہ دعا و توبہ کو ہر مذہب ذریعہ مغفرت سمجھتا ہے ذرا عنایت کرکے یہ مضمون مجکو سمجھا دیجیے سوامی جی نے فرمایا

अवश्यमेवभोक्तव्यं कृतंकर्मशुभाशुभम् ॥

یہ کرم کانڈ کا مسئلہ ہے اسکے یہ معنی ہین کہ جو افعال نیک و بد انسان نے کیے ہین اُنکے نتائج ضرور بھوگنے ہونگے اُنسے کسی طرح بچ نہین سکتا۔ اور جو افعال نہین کیے اُنکے نتائج اُسکو مِل نہین سکتے۔ اور نتائج مین کمی بیشی بھی نہین ہوسکتی پس یہ مسئلہ اسی طور پر قابل تسلیم و تسکین اور لائق عمل درآمد ہوسکتا ہے نہ کسی اور طرح پر کیونکہ انسان قانون ہی کے ذریعہ سے ترقی کرسکتا ہے۔ اور قانون کی حمایت اور قانون کی پابندی سے بلاخوف و خطر زندگی بسر کرسکتا ہے جیسا کہ تعلیم یافتہ ملکون مین دیکھا جاتا ہے نہ غیر آئینی ملکون مین جہان ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دیکھیے کیا پیش آجائے۔ پس جہان بذریعہ سفارش وغیرہ معافی کی امید ہے وہان ظلم کا بھی خوف ضرور ہے۔ اگر ایک کے ساتھ رعایت ہے تو دوسرے کے ساتھ کیون نہین۔ اگر یہ کہا جائے کہ حالات مخصوص مین سب کے ساتھ وہی رعایت ہے تو وہ قانون ہوگیا جس سے سب مستفید ہوسکتے ہین۔

قوانین کرم مین توبہ کے ذریعے سے معافی گناہ اور اجابت دعاؤنکی گنجایش ہے مگر ایک خاص طور پر۔ گناہ کے دو نتیجے ہوتے ہین۔ ایک تکلیف جسمانی یا قلبی دوسرے دل کی کدورت جو ترقی روحانی مین سدراہ ہوتی ہے۔ پس جو شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے وہ اپنی گناہگاری پر افسوس کرتا ہے اور آیندہ کے لیے نیک افعال کا ارادہ مصمم کرلیتا ہے یہی ارادہ اور آیندہ کی نیک افعال اُسکے دل کو کدورت سے پاک کرتی اور روحانی ترقی کے قابل بنادیتی ہے۔ چنانچہ اب جو تکلیفین اُسکو اپنے اعمال گذشتہ کے سبب سے پہونچتی ہین اُنکو بوجہ صفائی قلب نہایت صبر وخوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے بخلاف ناقص انسان کے جو تھوڑی تکلیف کو بہت مانتا اور رواویلا مچاتا ہے ؎

کرم بھوگ کی بھوگ کٹے گیانی مورکھ دوے	گیانی کاٹے گیان سے مورکھ کاٹے روے

دیندار آدمی کو جب تکلیف پہونچتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ پچھلا قرضہ جو واجب الادا تھا وہ بتدریج ادا ہو رہا ہے بہتر ہے کہ مین اس سے جلد سبکدوش ہوجاؤن۔ برخلاف اسکے دنیا پرست روتا چلاتا اور خدا کو الزام دیتا ہے کیونکہ اُسکے خیال مین یہ تکلیف بلاوجہ ہے۔ غرض تکلیف تو دونون کو برابر ہوتی ہے مگر برداشت کے لحاظ سے دونون مین بڑا فرق ہے۔ پس تکلیف کو خوشی سے برداشت کرنا اور دل کی کدورت کا دور ہوجانا جو ترقی روحانی مین مانع تھی اسی کا نام معافی گناہ ہے جو بذریعہ توبہ عمل مین آتی ہے اور وہ کل نوع انسان کے واسطے ہے نہ کسی شخص یا فرقہ خاص کے لئے۔ ایک اور طریقہ معافی گناہ کا ہے جو اعلے درجہ کے روحانی اشخاص کے لیے مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ نتائج افعال مین کمی بیشی تو ممکن نہین مگر ہان بدل ممکن ہے مثلاً ہمکو سو روپیہ کا قرضہ ادا کرنا ہے تو چاہے ہم سو روپیہ نقد دین چاہے

سو روپیہ کا نوٹ یا کوئی دوسری جنس وین جو سو روپیہ کے برابر ہے۔ پرائشچت یعنی کفارہ کا یہی اصول ہے۔ مگر جو قوانین کرم سے پورے واقف ہین وہی اس سے مستفید ہو سکتے ہین۔ تکلیف جو گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے اُسکے دو جز ہوتے ہین ایک مدت ایک شدت اگر اسکی مدت کم کرکے شدت بڑھا دی جائے تو قانون کرم مین فرق نہین آتا کیونکہ مناسب بدل ہو جاتا ہے مثلاً دس درجہ کی تکلیف ہفتہ بھر کے لیے تھی اُسکے عوض مین ستر درجہ کی تکلیف ایک دن کے لیے کر دی گئی تو نتیجہ وہی رہا۔

کرم بلحاظ زمانہ تین قسم کے ہوتے ہین ایک سنچت دوسرے پرار بدھ تیسرے اگامی۔ سنچت کرم افعال ماضی کا خزانہ ہے جو بوجہ نہ پیش آنے حالات مناسب کے جون کا تون رکھا ہوا ہے ابھی تک ہمکو اسکا نتیجہ نہین ملا۔ اسی لیے اِسکے رنگ ہمارے تجسس مین موجود ہین۔ پرار بدھ وہ حصہ سنچت کرم کا ہے جسکے نتیجے ہمکو اس زندگی مین ملین گے۔ اگامی وہ افعال حال ہین جنکے نتیجے آیندہ بھگتنے ہونگے۔ خواہ اس جنم مین خواہ کسی آیندہ جنم مین جب موقع ہو۔ جو شخص کرم بندھن سے چھوٹنا چاہتا ہے وہ اپنے پرار بدھ کرم کو صبر و خوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور فی الحال ایسے افعال ہی نہین کرتا جنکا نتیجہ آیندہ بھگتنا پڑے۔ یعنی کرم سے خودی کا تعلق علیحدہ کر دیتا ہے۔ اب رہے سنچت انسے رہائی کیونکر ہو؟ صرف یہی ایک صورت ہے کہ انکے نتیجے بھوگنے کا موقع جو صدہا بلکہ ہزارہا زندگیون مین ملتا سو انکی مدت کم اور تیزی زیادہ کرکے انسان ایک ہی جنم مین انکو ختم کر لیتا اور کرم بندھن سے چھوٹ جاتا ہے۔ مگر ایسا کرنے کو ایک تو علم درکار ہے دوسرے قوت برداشت۔ کیونکہ معمولی انسان اسکو برداشت نہین کر سکتے۔ بڑا ہی قوی دل چاہیے جو ایسی تکلیف شدید مین مستقل رہ سکے

اسی لیے جب تک انسان مین برداشت کی طاقت پیدا نہ ہولے محافظان علم باطن
تلقین اسرار سے پرہیز کرتے ہین اور یہ پرہیز محض بنظر ترحم ہے نہ بوجہ بخل۔ کیونکہ وہ
توخود متلاشی رہتے ہین کہ جو سرور دائمی انکو حاصل ہے اس سے اور لوگ بھی فیضیاب
ہون۔ مگر قوانین قدرت جنکی بنا رحم پر ہے اُنکو روکتے ہین کہ جب تک خودی دور
نہ ہولے اُسوقت تک یہ پاک علم نہ دیا جائے۔ جیسے متحرک پانی مین کامل انعکاس کی
قابلیت نہین ہوتی اِسی طرح جب تک انسان کو اپنے اوپر پورا قابو اور ضبط نہین ہوتا تحمل اسرار
نہین کرسکتا لہٰذا ع تربیت نااہل راچون گردگان برگنبدست + دوسرے یہ کہ جہان صرف
تصور ہی سے نتائج مطلوب پیدا ہوتے اور دعا و بددعا تیر بہدف ہوجاتی ہے وہان
ضبط کا لحاظ اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ مبادا کسی کو نقصان پہونچ جائے پس
عوام الناس کے واسطے توبہ اور خواص کے لیے کفارہ معافی گناہ کے ذریعے ہین۔

دعا مین بیشک تاثیر ہوتی ہے اور فی الواقع وہ ایک ذریعہ مغفرت کا ہے۔

تصور ایک بڑی قوت ہے جو اپنے زور کے مطابق نتیجے پیدا کرسکتی ہے لکھا ہے
کہ انسان جو تصور کرتا ہے وہی ہوجاتا ہے پس تصور کامل کے ذریعہ سے جو نتیجے
مطلوب ہون پیدا ہوسکتے ہین۔ ایشر اپنے تصور سے کل عالم کو پیدا کرتا ہے اور کاملین
اُس سے مقاصد مطلوب حاصل کرتے ہین دیندار آدمی جسکو قوت تصور کا علم نہین وہ
اس قوت سے دعا کے طور پر کام لیتے ہین اور سمجھتے ہین کہ ہماری دعا مقبول ہوئی حالانکہ
انکا تصور جوش دینداری کی وجہ سے اتنا طاقتور ہوجاتا ہے کہ وہ نتیجہ مطلوب پیدا
کرلیتا ہے۔ اصلیت کو کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مگر قوت اپنا اثر ہر حالت مین برابر کرتی
ہے آگ پر جانکر ہاتھ رکھو یا بے جانے وہ برابر جلائیگی جسکو معمولی انسان دعا کہتے ہین

عارف اسکو تصور بولتے ہین - بہت کم ایسے انسان ہین جنکی دعائین مؤثر ہوتی ہون -
کیونکہ دعا کا اسقدر زور آور ہونا کہ پوری مؤثر ہو مشکل ہے - جنکو قوت تصور کا پورا علم ہے
اور خودی کے مٹ جانے سے اُسپر قادر ہو گئے ہین وہ اپنے تصور سے جو نتیجے
چاہین پیدا کر سکتے ہین - غرض دعا بھی ایک قسم کا تصور ہے جسکے نتیجے اُسکی قوت پہ موقوف
ہین - اگر دعا مین اسقدر زور ہے کہ وہ گوش گزار کاملین ہو سکے یا بارگاہ عزت تک
پہونچ سکے تو وہ نہ صرف موثر ہوتی بلکہ مقبول ہوتی ہے لیکن دعا سے گزشتہ کرمون
کے نتیجے دور نہین ہوتے نہ وہ قانون کرم مین مخل ہوتی ہے - عارف کا تصور کبھی
خلاف قوانین قدرت نہین ہوتا - جاہل اکثر بوجہ لاعلمی ایسی دعا مانگ بیٹھتے ہین
مگر وہ مقبول نہین ہوتی -

انسان کو چاہیے کہ کبھی سامان دنیوی کے واسطے دعا نہ مانگے - ارسطاطالیس کا
قول ہے کہ "از وے چیزے مخواہ کہ او را زوال باشد" کیونکہ اس بارگاہ عالی سے ایک
ناچیز فانی کی درخواست کرنا اپنے آپ کو حقیر بنانا اور ایک عمدہ پر تاثیر قوت کو برباد
کرنا ہے - پس دعا مانگو تو روحانی ترقی اور اپنے ہمجنسون کی بہتری کی مانگو -

دعا جو اکثر موثر و مقبول نہین ہوتی اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارا دل جسمین بہت بڑی قوت
ارادی ہے ہزارہا طرف منتشر ہونے سے کمزور ہو جاتا ہے اس حالت مین جو دعا کیجاتی
ہے اُسکا اثر معلوم - جیسے بڑا دریا ہاتھی کو بہالے جاتا ہے لیکن اُسکو چھوٹی چھوٹی نہرون
اور نالیون مین تقسیم کر دیا جائے تو پھر وہ چوہے کو بھی نہین بہا سکتا - جب ترک تعلقات
سے شانتی حاصل ہو جاتی ہے تو دعا نہ صرف موثر ہوتی بلکہ مقبول ہوتی ہے - اسلیے
انسان کو چاہیے کہ پہلے خودی کے غار تاریک سے نکلکر فقر و فنا کے میدان مین

آسمئے اُسوقت دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو ع اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید
کی تصدیق ہوجائے ؎

آن دعائے بیخودان خود دیگرست	آن نہ گفتِ اوست گفتِ داورست

سائل کو جب تک اتنا قرب نہو کہ اپنا سوال گوش گزار کرسکے تب تک امید قبول محض فضول ہے اور سائل و مسئول کے درمیان خودی کے سوا کوئی حجاب حائل نہین ہے ع تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز معمولی انسان جن نتائج کے لیے دست بدعا ملتجی ہوتا ہے عارف اُن نتائج کو تصور حکمیہ سے پیدا کرسکتا ہے کیونکہ یہان اناالحق کی وجہ سے قم باذنی کا معاملہ ہے۔

اس بیان سے واضح ہے کہ قانون کرم سخت نہین ہے بلکہ کمال رحم پر مبنی ہے اگر ہم بوجہ لاعلمی اس سے فائدہ حاصل نہ کرین تو یہ ہمارا ہی قصور ہے۔ قانون کرم کو سمجھ لینے اور اُسپر عمل کرنے سے انسان کو بہت نفع پہونچتا ہے اول تو اُسکے دلمین لاطائل بیم و رجا تفکر و تشویش نہین رہتی جان لیتا ہے کہ اپنی کرنی اپنی بھرنی کوئی تکلیف یا آرام جبکا وہ مستحق نہین کسی سے نہین پہونچ سکتا دوم مصیبت کے وقت گھبراتا نہین سمجھ لیتا ہے کہ یہ اُسی کے افعال کا نتیجہ ہے پس خوشی سے برداشت کرتا ہے اگر کسی سے تکلیف پہونچتی ہے تو اُس سے خصومت نہین کرتا جانتا ہے کہ یہ اپنے ہی کرم کا پھل ہے سوم افعال بد سے پرہیز کرتا ہے کیونکہ اُسکے نتائج کی طرف خیال رہتا ہے چہارم حسد بغض وغیرہ سے اسکا دل پاک ہوجاتا ہے جانتا ہے کہ جیسا جسنے کیا ہے ویسا بھوگتا ہے پس اپنی قسمت پر شاکر رہتا ہے اپنے کرم پر بھروسہ کرتا ہے صبر و استقلال سے اپنے کل فرائض منصبی ادا کرتا ہے اور ہمیشہ مطمئن و خوش رہتا ہے۔

اکثر صاحبون کا یہ خیال ہے کہ عمر کا اخیر حصہ یعنی زمانہٴ پیری نیک افعالی و خدا پرستی کے لیے ہے اور عالم شباب عیش و عشرت کے لیے مخصوص ہے بقول شاعرؔ

واعظا توبہ کی جلدی کیا ہے	یہ بھی کر لین گے جو فرصت ہوگی

یہ اُنکی محض خام خیالی ہے کیونکہ زمانہٴ پیری ایسا وقت ہوتا ہے کہ انسان کو دل و دماغ اور جسم پر پورا پورا قابو نہین رہتا اسلیے وہ کسی مقصد کے لیے پوری کوشش بھی نہین کر سکتا۔ خودی کی بیخ کنی کے لیے بہت بڑی قوت ارادی درکار ہے جو صحت جسمانی و دماغی پر موقوف ہے اور یہ قوت عالم شباب ہی مین تر و تازہ ہوتی ہے جہان جوانی ڈھلی یہ قوت بھی مرجھا چلی۔ جب یہ صورت ہے تو کیونکر امید ہو سکتی ہے کہ جوانی کا لگا ہوا مرض بڑھاپے مین دور ہو جائیگا۔ اسکے سوا جس سرور کو انسان اپنی غلط فہمی سے عیش و عشرت مین تلاش کرتا ہے وہ درحقیقت نیک افعالی اور خدا پرستی سے حاصل ہوتا ہے اسلیے شروع ہی سے سیدھی راہ اختیار کیون نہ کرے علاوہ برین یہ اطمینان کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم زمانہٴ پیری تک پہونچ ہی جائین گے کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہین۔ اسلیے کار امروز بفردا مگذار پر عمل کرنا چاہیے۔ جسکو ہر دم پنجہٴ اجل مین گرفتار ہو جانیکا خوف ہو۔ اُسکو عیش و نشاط کی مہلت کہان ؂

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے	ہوش باش کہ عالم رواروی پر ہے
ارب کھرب لو درب ہے او دے است لو راج	جو پے تلسی مرن ہے تو پے کونے کاج

جیسے سانپ کا پکڑا مینڈک کیڑے کھانے کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح ہم اجل گرفتہ لذات دنیوی کے خواہشمند ہین واہ رے انسان تیری بے پروائی کے قربان ؂

اجل سر پر کھڑی ہے خواب غفلت مین ناحق ہے	چھپر کھٹ کی جگہ لازم جنازہ کا بنانا ہے

جس شخص کو پھانسی کا حکم سنا دیا گیا ہو بھلا اُسکو چین کہان ـ ممکن نہین کہ کوئی شئے اُسکو راحت دے سکے ـ عدالت اعلی مین اپیل کرنے کے بعد ہردم یہی کوشش رہتی ہے کہ کسیطرح یہ حکم منسوخ ہوجائے تو اطمینان ہو ـ غور کیجیے تو ہماری بھی یہی حالت ہونی چاہیے کہ سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کر اول اسی باب مین کوشش کرین کہ موت کا فتوی جو ہمارے حق مین صادر ہوچکا ہے کسی طرح عدالت عالیہ سے منسوخ و مسترد ہوجائے ـ پھر تو سرور ابدی ہمارا ورثہ ہے ہمکو اس سے کون محروم کرسکتا ہے ؎

من نور ذات حقم اے صاحب بصیرت	درصورتم اگرچہ از خاک آفریدہ
گرزصورت بگزرید اے دوستان	جنت ست وگلستان درگلستان

غزل

کیا کہین عالم مین ہم انسان یا حیوان تھے	خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
ایک دن اک استخوان پر جا پڑا میرا جو پاؤن	کیا کہین اُسوقت میرے دل مین کیا کیا دھیان تھے
پاؤن پڑتے ہی غرض اُس استخوان نے آہ کی	اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے
دست و بازو سر و گردن شکم پشت و کمر	دیکھنے کو آنکھ اور سننے کی خاطر کان تھے
ابرو و بینی جبین نقش ونگار و خال وخط	لعل مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
رات کے سونے کو کیا کیا نرم نازک تھے پلنگ	دن کے خاطر بیٹھنے کو تخت اور ایوان تھے
لگ رہا تھا دل کہین چنچل پریزادون کے ساتھ	کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہین پیمان تھے
گلبدن اور گلعذارون سے کنار و بوس تھا	کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے
ہو رہے تھے چہچہے اور مچ رہے تھے قہقہے	ساقی و ساغر صراحی عطر پھول و پان تھے
ایک ہی جھٹکا اجل نے آنکر ایسا دیا	پھر نہ تو ہم تھے نہ وہ سب عیش کے سامان تھے

ایسی بیرحمی سے مت رکھ پاؤن ہمپر اے نظیر	او میان ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

مسئلہ پنر جنم یعنی تناسخ

اُپنشد مین ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہین کہ انسان اپنی خواہشون کے مطابق بعد مُردن اُن مقامات مین پیدا ہوتا ہے جہان وہ خواہشین پوری ہو سکین۔ ترشنا یعنی خواہش انسان کو بار بار اس عالم مین لاتی ہے۔ کیونکہ جب تک اس عالم کی اشیا کی خواہش اور اُنکے ساتھ دلبستگی باقی ہے تب تک ان خواہشون کے پورا کرنے کو یہان آنا ضروری ہے۔ خواہش ایک قلبی قوت ہے جو اپنی کشش سے انسان کو وہان لے جاتی ہے جہان اُسکے پورا ہونے کا سامان مہیا ہے۔ اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ تم یہان کیون رہتے ہو تو یقیناً وہ یہی جواب دیگا کہ یہان چند تعلقات اس قسم کے ہین جو دوسری جگہ جانے سے روکتے ہین۔ گو چند روز کے لیے بضرورت کاروبار یا بغرض سیر و تفریح دوسری جگہ بھی جانے کا اتفاق ہوتا ہے مگر ان تعلقات کی وجہ سے ہر پھر کے پھر اپنے ٹھکانے پر آنا پڑتا ہے۔ اسی طرح جب تک اس عالم کے تعلقات دل مین موجود ہین اُس وقت تک انسان کو یہان آنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کسی جگہ کے تعلقات چھوٹ کر دوسری جگہ کے تعلقات پیدا ہو جاتے ہین تو آدمی مستقل طور پر وہین جا رہتا ہے پس ہمارے تعلقات جو اس عالم کے ساتھ ہین کسی طرح چھوٹ جائین اور دوسرے عالم کے تعلقات پیدا ہو جائین تو ہمکو یہان آنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ پنر جنم کی بہت قوی دلیل یہ ہے کہ ہم انسان کے حالات جسمانی دماغی و روحانی مین پیدایشی اختلاف پاتے ہین مثلاً ایک امیر ہے تو دوسرا غریب ہے ایک تندرست ہے تو دوسرا بیمار ہے ایک ذہین ہے تو دوسرا

غبی ہے۔ ایک نیک طینت ہے تو دوسرا بدطینت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس اختلاف کی وجہ سوا اسکے کہ گذشتہ جنم کے افعال کا نتیجہ ہو اور کیا ہو سکتی ہے۔ علاوہ اسکے جتنی وجوہات بیان کی جاتی ہین وہ صحیح طور پر اس مسئلہ کو حل نہین کر سکتین۔ سب سے قوی اعتراض اس مسئلہ پر یہ ہے کہ اگر یہ اختلاف گذشتہ جنم کا نتیجہ ہے تو ہمکو اُن افعال گذشتہ کی یاد کیون نہین رہتی۔ مجرم کو اُسکے جرم کی پاداش مین جو سزا دی جاتی ہے وہ اُسکی بہتری کی غرض سے ہوتی ہے یعنی آیندہ ایسے فعل سے پرہیز کرے لیکن جب یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کس جرم کی سزا ہے تو مجرم اُس سے کیا خاک فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور جب سزا کا فائدہ مفقود ہو گیا تو وہ سزا نہین بلکہ ناسزا ہے بعض کا یہ اعتراض ہے کہ سوہن لال نے کچھ افعال کیے تھے جنکی سزا موہن لال پاتا ہے۔ یہ خوب انصاف ہے کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ ان اعتراضون کے دفع کرنے کے لیے ضرور ہے کہ کسی قدر ماہیت انسان اور عالم کی جو اُسکی جاے قیام ہے معلوم ہو ورنہ یہ مسئلہ صحیح طور پر حل نہ ہوگا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہین کہ ایشر کی چیتن شکتی مادہ کو تحریک کر کے ہفت طبق مین منقسم کرتی ہے جنکے نام یہ ہین (۱) بھولوک (۲) بھورلوک (۳) سُرگ لوک (۴) مہرلوک (۵) جن لوک (۶) تپ لوک (۷) ست لوک۔ یہ ہفت طبقات عالم مختلف اقسام کے مادون سے مرتب ہوئے ہین چنانچہ یہ عالم ناسوت کثیف ترین مادہ سے بنا ہے عالم ملکوت اُس سے لطیف مادہ کا ہے جبروت اُس سے بھی لطیف تر اسیطرح بتدریج ہر طبقۂ اعلیٰ کا مادہ لطیف تر ہوتا جاتا ہے اس چیتن شکتی کا ظہور پہلی پہل مادہ مین بطور مختلف قوتون کے ہوتا ہے۔ یہ جو معدنیات و نباتات مین انواع و اقسام کی قوتین

نظر آتی ہین اسی چیتن شکتی کا ظہور ہے۔ جب یہ شکتی حیوانات مین پہونچتی ہے تو اُسمین چیتنتا کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ انسان مین چیتنتا کے ساتھ آنند کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ مگر پورا ظہور اس شکتی کا کاملین مین ہوتا ہے جنکی معلومات روحانی قوتین اور مادہ پر اختیار و قابو معمولی انسان کے ذہن مین بھی نہین آسکتے۔ یہ سچدانند ایشر کی سچدانند شکتی بتدریج انسان مین اپنا ظہور کرتی ہے اور یہ ہی اُسکو مرجع اصلی کی طرف لے جاتی اور آخر کار انا الحق کے مرتبہ پر پہونچاتی ہے۔

ان ہفت طبقات عالم کے مطابق روح انسان کے گرد سات غلاف یکے بعد دیگرے چڑھے ہوئے ہین جنکی وساطت سے وہ کل طبقات عالم مین جاسکتا اور اُنکا علم حاصل کرسکتا ہے۔ اگرچہ ان کل اجسام پر ہر انسان کو اختیار و قابو نہین ہے لیکن ترقی کرتے کرتے سب کو حاصل ہو جائیگا۔ جب کہ سب پردون پر قابو ہو جاتا ہے تو وہ یہین بیٹھے بیٹھے کل طبقات عالم کی سیر کرسکتا ہے ایک پردہ اُٹھایا دوسرے مین جا داخل ہوا اسمین کچھ دیر نہین لگتی۔ سچا یوگ۔ وہ علم باطنی ہے جسکی بدولت انسان کو پردہا ے مختلف کا علم اور اُنپر اختیار و قابو حاصل ہوتا ہے۔ اس علم کے حصول کی صرف ایک شرط ہے کہ طالب خودی کو دور کردے تاکہ ضرر رسانی کا احتمال جاتا رہے۔ جب یہ شرط پوری ہو جاتی ہے تو محافظان علم باطن اُسکو اپنے علم سے فیضیاب کرنا شروع کرتے ہین۔

معمولی انسان کی آمد و شد منجملہ ہفت طبقات عالم کے صرف ادنے درجہ کے تین طبقون مین محدود رہتی ہے باقی چار طبقے اُن انسانون کے واسطے مخصوص ہین جو خودی کو دور کرکے تناسخ سے آزادی حاصل کر چکے ہین۔ اُن تین طبقون مین سب سے ادنی طبقہ یہ بھولوک یعنی عالم ناسوت ہے جسکو سنسکرت مین کرم لوک بھی کہتے ہین کیونکہ

کل کرم انسان کے اسی عالم مین ہوتے ہین۔ باقی دو عالم اُسکے خاص کرمون کے نتائج کے واسطے ہین۔ وہان کوئی نیا کرم نہین ہوتا۔ ان دو عالمون مین جانے کی دوسری غرض یہ ہے کہ مدت تک کام کرنے سے جو ایک قسم کی تکان پیدا ہوتی ہے وہ ان عالمونمین آرام ملنے سے رفع ہوجاتی ہے۔ بیداری کے بعد خواب نوشین۔ مرنے کے بعد آسایش جنت اور ظہور کے بعد بطون یہ سب اسی اصول پر مبنی ہین۔ عمر بھر کام کرتے کرتے انسان کو راحت وسکون کی ضرورت ہوتی ہے جسکو موت مہیا کرتی ہے۔ موت ہی کی عنایت سے بڑھاپے کی ملالت بچپن کی بشاشت سے تبدیل ہوجاتی ہے چنانچہ مذکورہ دو عالمون مین ستانے کے بعد انسان تروتازہ ہوجاتا اور اس عالم ناسوت مین کام کرنے کو پھر آتا ہے۔ اگر انسان موت کی حکمت سے واقف ہوجائے تو ہرگز خوف نہ کھائے بلکہ جیسے رات کو سونے کی تیاری کرتا ہے اس سے بھی زیادہ خوشی کے ساتھ مرنے کی تیاریان کرے تیسری غرض ان دونون عالمون مین جانے کی یہ ہے کہ وہان گزشتہ جنم کے خیالات و افعال کے بموجب آیندہ جنم کے لیے جسمانی دماغی اور روحانی قوتین پیدا ہوتی ہین جس انسان کی توجہ اس عالم ناسوت مین ایک خاص مضمون کی طرف رہی تھی وہ عالمہائے مذکورہ مین اُسی مضمون پر متواتر متوجہ رہتا ہے اور اسمین ایسی رغبت و قوت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اُس خاص مضمون مین بہت ترقی کرسکتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے عالم ناسوت مین عمر بھر علم موسیقی کے لیے کوشش کی ہے تو اُسکی کوششون کا نتیجہ عالم جبروت مین جانے کا یہ ہوگا کہ آیندہ جنم مین اُسکو پیدایشی رغبت وصلاحیت وقوت اُس علم کے حصول کی ہوگی۔ اسی لیے وہ علم موسیقی مین بہت ترقی کرسکے گا۔ کسی علم یا فن مین جو بعض اشخاص کو کمال حاصل ہوتا ہے اُسکی وجہ یہی ہے ۔

عالم ناسوت

انسان کا استھول شریر یعنی جسم کثیف عالم ناسوت کے مادہ سے مرکب اور اسی عالم کے موزون ہوتا ہے۔ تمام افعال جسمانی اس جسم کے ذریعہ سے ہوتے ہین۔ ذرات اور اعضا جنسے یہ جسم مرکب ہے کشش اتصال کی وجہ سے ایام زندگی مین باہم ملکر باتفاق کام کرتے اور جسم کو قائم رکھتے ہین۔ موت کے وقت یہ کشش زائل ہوجاتی ہے تو اجزاے جسم بھی منتشر ہوجاتے ہین۔ چونکہ جسم کثیف تمام افعال جسمانی کا آلہ ہے اسلیے اُسکو درست رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مگر بقدر ضرورت ہی توجہ چاہیے نہ تو اُسکی طرف سے بے پروائی ہو نہ تن پرستی کہ آدمی اُسی کا ہو رہے۔ چونکہ وہ غذا سے پرورش پاتا ہے اسلیے غذا کی بھی احتیاط لازم ہے۔ شراب گوشت وغیرہ سے وہ ایسا بھدا اور کثیف ہوجاتا ہے کہ اسمین نیک افعالی اور خداپرستی کی رغبت نہین رہتی بلکہ عیش وعشرت اور حسد وبغض وغیرہ کی طرف میلان پیدا ہوجاتا ہے۔ خواہشات کا اثر بھی جسم کی لطافت وکثافت پر بہت ہوتا ہے اسلیے بُری خواہشون سے پرہیز واجب ہے۔ علم مادی سے یہ بات بخوبی ثابت ہوچکی ہے کہ سات برس کے عرصہ مین جسم کے تمام ذرات تبدیل ہوجاتے ہین سلہ جیسی غذائین آدمی کھاتا یا جیسی خواہشین رکھتا ہے اُنکے مطابق نئے ذرات جسم مین داخل ہوتے جاتے ہین۔ پس انسان کو اس جسم کثیف کی درستی باہر سے بذریعہ غذاے لطیف اور اندر سے بذریعہ خواہشات پاک نہایت کوشش کے ساتھ کرنی چاہیے۔ کثرت ہوس رانی سے بھی اس جسم کو سخت نقصان پہونچتا ہے اس بارہ مین بھی احتیاط لازم ہے۔ غرض قواعد حفظ صحت پر پوری توجہ چاہیے تاکہ جسمانی اور دماغی افعال صحیح وسالم رہین۔

عالم ملکوت

اس عالم کے مناسب اور اسی کے مادہ سے مرکب سوکشم شریر یعنی جسم لطیف ہوتا ہے جسمین
کل حواس کے مرکز ہوتے ہین۔ جسم کثیف مین تو صرف ظہور حواس کے آلات ہین جیسے
آنکھ ناک کان وغیرہ۔ اور تمام خواہشات ناسوتی کا ظہور بھی اسی جسم لطیف سے ہوتا ہے
جیسی جیسی خواہشین ناسوتی زندگی مین رہی ہین انھین کے مطابق بعد مرگ عالم ملکوت
مین انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ عالم سات درجون مین منقسم ہے جسکے اونے درجے
اُس مادہ سے مرتب ہوئے ہین جو اُس عالم مین کثیف تر ہے۔ اسلیے اونی درجون مین
اُن لوگون کا قیام زیادہ ہوتا ہے جنکی خواہشین ناسوتی زندگی مین زبون و ناپاک تھین
اسلیے وہ لوگ طرح طرح کے عذاب مین مبتلا رہتے ہین یہی عوام الناس کا دوزخ ہے
جنکی خواہشین اس زندگی مین نفیس و لطیف تھین اُنکا قیام ملکوت کے اعلے درجون
مین زیادہ ہوتا ہے اسی کو کتب مذہبی مین اعراف لکھا ہے یہان انسان طرح طرح کے
آرام حاصل کرتا ہے غرض ہر شخص جسطرح عالم ناسوت مین اپنے جسمانی افعال کے مطابق
جسمانی راحت و اذیت پاتا ہے اُسی طرح عالم ملکوت مین اپنی خواہشون کے موافق عذاب
یا ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

اس جگہ یہ امر بیان کرنا ضروری ہے کہ عالم ملکوت اور اُسکے باشندون کا وجود ایسا
ہی صحیح ہے جیسا کہ اس دنیا اور اہل دنیا کا وجود ہے۔ یہان لفظ صحیح عرفی معنی مین استعمال
کیا گیا ہے کیونکہ اہل تصوف کے خیالات کے مطابق بجز ذات باری تعالی اور کسی شے
کی ہستی نہین۔ یہ سب مایا کا کھیل ہے۔ لیکن جسطرح ہم دنیوی اشیا کا وجود مثل میز کرسی مکان
انسان وغیرہ صحیح مانتے ہین اسی طرح عالم ملکوت و عالمہاے بالا اور اُنکے باشندون کا وجود ہے

جب انسان بحالت زندگی اُس عالم کی سیر کرتا ہے تو ایک عجیب نظارہ دیکھتا ہے وہان کی اشیا کا ایک خاصہ یہ ہے کہ وہ مثل بلور شفاف ہوتی ہین جس شے کو دیکھو ابتدا سے انتہا تک کل نظر آتی ہے۔ معمولی انسان کا جسم لطیف موجودہ زندگی مین بے ترتیب ہوتا ہے لیکن بعد مرون اسکی خواہشات کے مطابق خوبصورت یا بدصورت شکل انسانی قبول کرلیتا ہے اور شخص متوفی کی شباہت بھی کسی قدر اُسمین پائی جاتی ہے جس سے پہچان مین آسکتا ہے شکل دیکھتے ہی اُسکی جملہ خواہشات نیک و بد معلوم ہوجاتی ہین۔ وہان اس عالم کی طرح اپنی خواہشات کو دوسرون سے چھپا نہین سکتا جن شخصون کو اختیار حاصل ہے وہ اپنے جسم لطیف کے ذریعہ سے عالم ملکوت کی سیر اور اُس عالم کے باشندون سے ملاقات کرسکتے ہین۔ خاص خاص حالتون مین اُنکو نفع بھی پہونچا سکتے ہین جسم لطیف کی خوبی اگرچہ خواہشات کی پاکیزگی پر موقوف ہے لیکن اجسام ناسوتی و جبروتی کا اثر بھی اُسپر پڑتا ہے۔ اسلیے طرفین پر بھی توجہ ہونی چاہیے۔ عالم ملکوت کو سنسکرت مین کام لوک کہتے ہین۔ کام کے معنی ہین خواہش چونکہ اس طبقہ مین خواہشات کا زور ہوتا ہے اسلیے یہ نام رکھا گیا۔

یہان کے ساکنین کو عموماً عالم ناسوت سے کچھ واسطہ باقی نہین رہتا اور وہ اس عالم کے تعلقات مین قطعاً مخل نہین ہوتے مگر بعض صورتون مین جبکہ انکی خواہشات نہایت زبردست ہوتی ہین تو وہ آپ جیسے زود خواہش والے شخصون پر عمل کرکے اُنکے اجسام کثیف کے ذریعہ سے اپنی خواہشین پوری کرتے ہین۔ انھین کو بھوت پریت کہتے ہین اور وہ اعمال سفلی کے ذریعہ سے اُتارے جاتے ہین۔ عالم ملکوت کے قیام کی مدت خواہش کی تیزی و طاقت پر موقوف ہے۔ اہل ہند زمانۂ قدیم مین چند قسم کے کرمون اور منترون کے ذریعہ سے شخص متوفی کو عالم ملکوت کے ادنی درجون سے نجات دلاکر

اعلیٰ مدارج مین پہونچا دیتے تھے۔ اسطرح انکی تکلیف رفع ہوجاتی تھی۔ سنسکرت مین بیٹے کو پتر اسی وجہ سے کہتے ہین کہ وہ باپ کو نرک سے بچاتا ہے لیکن اب نہ وہ عالم رہے نہ وہ عامل صرف لکیر پٹینا باقی رہگیا ہے۔

بعض آدمی جنکو اسقدر صفائی قلب حاصل نہین کہ بذریعۂ علم علوی عالم ملکوت کی سیر کرسکین وہ بذریعۂ اعمال سفلی اس عالم مین جانے کی کوشش کرتے ہین تو اُنکو یہان کی عجیب صورتون اور نادر شکلون کے دیکھنے سے ایسا خوف طاری ہوتا ہے کہ یا تو وہ فوراً ہی مرجاتے ہین یا دماغ مین فتور آجاتا ہے۔ بعضے کچھ عرصے تک فاترالعقل رہتے ہین بعضے عمر بھر کے لیے دیوانے ہوجاتے ہین اسلیے سیر ملکوت کی کوشش سفلی وسائل سے ہرگز نہ کرنی چاہیے۔ وہان کی سیر کا محفوظ ذریعہ تو علوی وسائل ہین جو صفائی قلب کے بغیر حاصل نہین ہوتی۔

عالم جبروت

جبروت کے موزون اور اسی کے مادہ سے مرکب انسان کا کارن شریر ہوتا ہے اور اُسکو کارن شریر اسلیے کہتے ہین کہ وہ دیگر دو اجسام کا کارن یعنی بنیاد ہے۔ جسطرح مرنے کے بعد اس جسم کثیف کے اجزا منتشر ہوجاتے ہین اسی طرح جب انسان کارن شریر مین پہونچتا ہے تو سوکشم شریر یعنی جسم لطیف کے اجزا منتشر ہوجاتے ہین۔ جبروتی وجود کے ذریعہ سے انسان اپنے اعلےٰ خیالات کے مطابق جو تعلقات دنیوی سے بالاتر تھے عالم جبروت مین راحت و سرور پاتا ہے مثلاً محبت صادق۔ دینداری۔ فلسفہ تحقیقات علوم و فنون وغیرہ جنکا ظہور ناسوتی زندگی مین رہا تھا انھین کے مطابق ہفت منازل جبروت مین راحت پاتا ہے۔ دیندار آدمی یہان معبود حقیقی کی عبادت

مین اپنے آپ کو مشغول پاتا اور عبادت سے سرور نامتناہی حاصل کرتا ہے۔ ان اپنے بچون کے ساتھ جنکی سچی محبت رکھتی تھی اپنے آپ کو محظوظ پاتی رہے جو لوگ علوم و فنون کے شائق تھے وہ انکے مسائل حل کرنے مین مستغرق رہتے ہین غرض یہ عالم محض عالم سرور ہے وہان کسی قسم کی کلفت روح کو نہین پہونچتی۔ جملہ مصائب و تکالیف کی دسترس ادنی درجہ ملکوت تک ختم ہوجاتی ہے۔ ہر شخص یہان اپنے خیالات مین مشغول رہتا اور حظ و سرور اُٹھاتا ہے۔ اسی کو بہشت یا سرگ کہتے ہین۔ عالم جبروت کے ساکنین اپنے خیالات مین ایسے مستغرق رہتے ہین کہ ان کو عالم ناسوت سے کچھ واسطہ نہین رہتا ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد	کسے را با کسے کارے نباشد

کارن شریر ایک مرکز نور ہوتا ہے خصوصًا اہل باطن کا تو نہایت ہی خوب قابل دید ہوتا ہے۔ اس جسم مین حواس مثل جسم لطیف جداگانہ نہین ہوتے۔ صرف ایک ہی قوت حس ہوتی ہے جو کل حواس کا کام دیتی ہے۔ خیالات کا اظہار اس عالم مین الفاظ کے ذریعہ سے نہین ہوتا جیساکہ ناسوت اور ملکوت مین ہوتا ہے۔ بلکہ یہان ایک خوش رنگ خوشنما خوشبو اور خوش الحان تصویر کے ذریعہ سے پورا پورا خیال ادا ہو جاتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ دیوتاؤن کی گفتگو رنگ روپ کے وسیلہ سے ہوتی ہے نہ کہ شبد سے چنانچہ ایک عارف کہتا ہے ؎

اے خدا بنمائے مارا آن مقام	کاندران بے حرف می روید کلام

اس عالم کی خوبصورتی۔ رنگون کا میل اور رنگا رنگ اشکال بیان مین نہین آسکتین مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہین جو شخص ایسے خوش قسمت ہین کہ حالت زندگی مین

بذریعہ کارن شریر اس عالم مین جانے کی قدرت رکھتے ہین اُنکو ایک عجیب سرور لطیف اور نظارہ دلکش حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو اس عالم کثیف کی اشیا اُسی وقت تک دلاویز معلوم ہوتی ہین جب تک کہ اُسکو جبروت کا مشاہدہ میسر نہین ہوتا اگر ایک نظر بھی اُس عالم کے اشیا کا جمال دیکھ پائے تو اس عالم کثیف کی اشیا اُسکی نظر مین حقیر و خفیف ہوجائین چنانچہ پورا ویراگ انسان کو اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ جبروت کی سیر کا موقع پاتا ہے ؎

جو دیکھے تجھے بلبل اے رشک گل		نہ پھٹکے کبھی پاس گلزار کے

معمولی انسان جو دنیا کی چیزون پر فریفتہ رہتے ہین اسکی وجہ یہ ہے کہ انکو عالم ہاے بالا کا علم و مشاہدہ حاصل نہین ہے وہ اپنے اگیان مین مگن رہتے ہین۔

انسان جس قدر خودی کو دور کرکے نیک و پاک خیالات کو دل مین جگہ دیتا ہے اُسی قدر اسکا کارن شریر منوّر ہوتا ہے اس لئے خیالات پر پورا قابو حاصل کرنا چاہیئے تاکہ وہ ناقص خیالات دل مین نہ آنے پائین جو کارن شریر کی درستی مین خلل انداز ہوتے ہین۔ اور چونکہ کارن شریر ایک مہا کلپ (دور ظہور) تک رہتا ہے اور اس عرصہ مین کرورون جنم انسان کے ہوتے ہین لہذا اسکی درستی پر کامل توجہ لازم ہے۔ اس کارن شریر کی صلاح سے انسان ایسے اعلیٰ مقام مین پہونچ جاتا ہے کہ جہان رنج و تکلیف کا دغدغہ نہین محض سرور ہی سرور ہے اس حالت مین پہونچکر وہ منازل آیندہ کی تیاری کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

حالت بیداری کی خواہشین اور خیالات تم دیکھتے ہو کہ حالت خواب مین عود کرتی ہین بس اسی طور سے اس زندگی کی خواہشین او خیالات بعد مردن کام لوک اور

سرگ مین عود کرتی ہین - اور کشان کشان اُن مقامات کی طرف لے جاتی ہین جہان پورا عود کر کے متواتر جاری رہ سکین - عالم ملکوت اور جبروت دونون کا مادہ اس قدر لطیف ہے کہ وہ خواہشات اور خیالات کے ساتھ تبدیل ہوجاتا اور انہین کے مطابق صورتین شکلین قبول کرلیتا ہے - پس عالم ملکوت کے اندر انسان اپنے آپ کو نیک یا بد کرمون وخواہشون کی مناسبت سے آرام یا تکلیف مین پاتا ہے مثلاً ایک قاتل جو ہمیشہ پولیس سے خائف تھا یہان ایک مہیب شکل کے پولیس انسپکٹر کو اپنا پیچھا کرتے ہوئے دیکھتا ہے - اور جو شخص اپنے خیالات نیک اور افعال حمیدہ کی وجہ سے دنیوی زندگی مین راحت و طمینان کی حالت رکھتا تھا وہ عالم جبروت مین بھی اپنے تئین مطمئن اور شادان پاتا ہے مثلاً ایک دیندار آدمی خود ساختہ مندر یا مسجد مین اپنے آپ کو طاعت وعبادت مین مشغول و مسرور پاتا ہے -

اس پر بعض صاحب اعتراض کرینگے کہ یہ بات ہے تو بہشت و دوزخ کی کچھ اصل نہ رہی محض ایک خیالی چیز ٹھہری - بے شک یہ اعتراض ان کا کسی قدر صحیح ہے مگر یہ تو غور کیجئے کہ اس عالم ناسوت ہی کی اصلیت کیا ہے - ایک ہے کہ بغض وحسد کی آگ مین جو خود بھڑکائی ہے جل رہا ہے - ایک ہے کہ جو جھوٹی لذتون کو موجب راحت تصور کر کے محظوظ ہوتا ہے - یہ بھی خواب و خیال سے زیادہ نہین - غرض جب تک ہم بچے ہین اُس وقت تک تمام طبقات عالم ایسے ہی سچے ہین جیسا کہ یہ عالم ناسوت ہے مگر جب ہم بالغ ہوجاتے ہین یعنی چشم بصیرت کھلتی ہے تو ذات باری کے سوا جو کچھ ہے سب مایا کا کھیل معلوم ہوتا ہے ؎

مبارک رہے تم کو واعظ بہشت	میان ہم تو طالب ہین دیدار کے

جب خیالات کی قوت ختم اور سرگ کے بھوگ پورے ہو چکتے ہین تو بذریعۂ کارن
شریر انسان کا پنر جنم ہوتا ہے اور منتظمان کرم ایسا ملک قوم خاندان والدین وغیرہ
تجویز کرکے اُسکو پہونچا دیتے ہین جہان اعمال گزشتہ کے موافق جسمانی دماغی روحانی
قوا کا ظہور ہو سکے اثنائے راہ مین یعنی عالم ملکوت کے اندر گزشتہ جنم کی خواہشون کے
مطابق اسکا جسم لطیف تیار ہوتا ہے۔ پھر یہ دونون اجسام لطیف رحم مادر مین داخل
ہوتے ہین اور انہین کی مناسبت سے جسم کثیف بنتا ہے۔ گویا انسان ایک گھڑی ہے
جسکی کوک عالم ناسوت مین دیجاتی ہے اور پرزے اسکے تینون عالمونمین گھومتے
ہین۔ جب کوک ختم ہولیتی ہے تو نئی کوک کے لیے پھر ناسوت مین واپس آتا ہے۔

اس پنر جنم کے مضمون سے آپ کو واضح ہوگا کہ کارن شریر انسان کا وہی رہتا ہے
یعنی انسان دراصل وہی رہتا ہے صرف بیرونی دو غلاف بدلجاتے ہین۔ پس جو کرم
موہن لال نے کیے تھے اب وہی موہن لال بشکل سوہن لال اُن کی سزا و جزا پاتا ہے۔
صرف نام اور روپ بدلتا ہے شخص وہی رہتا ہے۔ اس کارن شریر مین جنم ہائے گذشتہ
کے آثار تجسس کے ذریعہ سے موجود رہتے ہین مگر ہمکو اُس پردہ سے واقفیت نہین اسلیئے
اُسکے حالات منکشف نہین ہوتے۔ اگر باختیار خود اس پردہ مین جاسکین تو سب بھید
کھلجائے۔ یاد کا انحصار عموماً دماغ پر ہے اور دماغ دوسرے جنم مین تبدیل ہوجاتا ہے
اسی واسطے گزشتہ جنم کی یاد آیندہ جنم مین نہین رہتی۔ یہ قاعدہ غایت درجہ کے رحم پر
مبنی ہے۔ کیونکہ معمولی انسان کو جنم ہائے سابقہ کی یاد رہے تو وہ اپنے افعال قبیحہ کی
ندامت کے مارے آیندہ ترقی و اصلاح سے محروم رہجائے۔ چنانچہ خاص اس زندگی
کے افعال بد کی یاد بھی دل مین اضطراب پیدا کرکے یکسوئی مین خلل ڈالتی ہے اور

یہ بات روحانی ترقی کی مانع ہے جب ایک جنم مین افعال گزشتہ کی یاد کا یہ نتیجہ ہے تو پچھلی جنمون کی یاد بہت ہی مضر ہوتی - پس یہ عین رحم ہے کہ افعال کی یاد نہین رہتی اور اُنکے نتائج ملجاتے ہین - انسان خود اپنے حالات جسمانی دماغی اور روحانی سے مجملاً نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اسکے افعال گزشتہ نیک تھے یا بد کچھ ضرورت نہین کہ انکی تفصیل سے بھی واقف ہو - البتہ جب آدمی کو ترک خودی کے ذریعہ سے پورا ضبط اور کامل اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو وہ کارن شریر مین پہونچکر گزشتہ جنمون کے حالات سے واقف ہوتا ہے اور اپنے افعال بد کا دفعیہ کرتا اور آیندہ اُن سے بچتا ہے - اب مسئلہ جبر و قدر کو سمجھنا چاہیے -

یہی نقشہ ہے یہی شکل ہے سامان ہے یہی
یہ جو صورت ہے تیری صورتِ جانان ہے یہی

تمام مذاہب کے اصلی حقائق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنے جوہر ذات سے پیدا کر کے اپنی کل صفات کا مظہر بنایا ہے - پس اسی اصول کے اندر کل رموز مسئلہ جبر و قدر کے مخفی ہین - جب ہم صفات باری مین غور و تامل کرتے ہین - تو سب سے اعلےٰ صفت قوت ارادی کو پاتے ہین جو کل کائنات کے ظہور و قیام کا سبب ہے - یہی صفت ہے جو نظام عالم کو قائم رکھتی اور اسکو ترتیب مناسب کے ساتھ ایسے قوانین کے زیر حکم چلاتی ہے جنمین کبھی سر مو فرق نہین پڑتا - اچھا تو انسان جو مظہر صفات الٰہی ہے چاہیے کہ قوت ارادی کا بھی مظہر ہو لیکن ظاہرا اسکی حالت برعکس نظر آتی ہے - وہ ہر ہر قدم پر ٹھوکرین کھاتا اور ذرا ذرا بات مین اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے بلکہ ہر دم ایسے حادثات کا

نشانہ بنا رہتا ہے جن پر اسکا کچھ بس نہین چلتا آخر اسکا کوئی سبب معقول اور وجہ مناسب ہونی چاہیے جو نمونہ ذات خداوندی بننے مین انسان کی سد راہ ہے اور اسکی قوت ارادی کا نقش نہین جمنے دیتی - یہ تو مسلم ہے کہ قوانین قدرت جن پر بقا و قیام عالم کا دارومدار ہے سراسر عدل ہین کیونکہ وہ عادل مطلق سے صادر ہوئے ہین - چونکہ انسان اپنی نادانی سے ان قوانین کا ادب و لحاظ نہین کرتا بلکہ انکی حدود کو توڑ پھوڑ کر باہر نکلجاتا اور اپنے من مانے کو تگ کرتا ہے - پس یہی وجہ ہے کہ اُسکے ارادے اور اُسکے مقاصد ناقص و ناتمام رہتے ہین اس معاملہ مین نہ کوئی اسکا مخالف ہے نہ حارج بلکہ خود اسی کے نازیبا کرتوت اور اسی کی بے احتیاطی اسکے ارادون پر پانی پھیر دیتی ہے اس لیے وہ اپنے آپ کو ناچار و مجبور پاتا اور صدہا قسم کی تکلیفات کا مرکز بنجاتا ہے - کسی نے خوب کہا ہے "از ماست کہ بر ماست"

علاوہ برین یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان ایک معجون مرکب ہے صفات بہیمی اور ملکی سے ع از ملایک حصہ داری وز بہائم نیز ہم + یعنی اسمین وحشی جانورون کے سے خصائل بھی موجود ہین اور مقدس فرشتون کے سے خواص بھی - مگر جب صفات بہیمی غالب آجاتے ہین اور وہ حیوانی اور نفسانی خواہشون مین مبتلا ہو جاتا ہے تو اُسکی قوت ارادہ مدھم اور کند ہو جاتی ہے اسلئے وہ دنیوی خواہشات کے سلسلہ مین جکڑا ہوا ایک جنم سے دوسرے جنم مین گھومتا رہتا اور خود اپنے اعمال و افعال سے طرح طرح کے قیود مین پھنسکر واویلا کیا کرتا ہے - اگر انسان صفات ملکی کو اپنا ہادی بنا کر اُن قیود کو توڑ ڈالے جو خود اپنے اوپر لگائے ہین اور نتائج بھگتنے کے بعد ایسے افعال سے محترز رہے جو مکرر اسیری و بندش کا سبب ہون تو وہی آزادی جو اُسکی ذات مین ہے اسکو حاصل ہو جاے - وہ موجود

تو ہے مگر خواہشات نفسانی کے ابر مین پوشیدہ ہو رہی ہے یہ ابر تاریک پھٹا اور اُسکا
سورج چمکا ع بگذر از حد بہائم کز ملائک بگذری +

انانیت حقیقی ایک فلاسفر کی اور ایک جاہل گنوار کی فی الحقیقت ایک ہی اصلیت
رکھتی ہے لیکن اسکا ظہور اِس عالم مین جیسے پردون مین ہوتا ہے اسی نام سے وہ موسوم
کیجاتی ہے۔ جسطرح باجے کی آواز تارون وغیرہ کے سامان پر موقوف ہے اسی طرح
انانیت حقیقی جس قسم کی انانیت شخصی سے ملبوس ہوتی ہے ویسا ہی ظہور کرتی ہے اور
یہ انانیت شخصی خود اپنے ہی افعال ماضی کا نتیجہ ہے کسی دوسرے کی طرف سے
نہین اور آدمی اپنی ہی کوشش سے اسکو دور کرسکتا ہے۔ پس ریشم کے کیڑے کا سا حال
سمجھو کہ اپنے لعاب سے ریشم بناتا اور اُسکے خول مین آپ قید ہو جاتا ہے۔ جب قید گران
گزرتی ہے تو کوئے کو کاٹکر باہر نکل جاتا ہے۔ پس قید و رہائی دونون کا مرکز خود کیڑا ہے
نہ کوئی اُسکو پھنساتا ہے نہ کوئی چھوڑاتا ہے۔ انانیت حقیقی اس عالم مین لباس خودی
پہنکر اپنے آپکو برن و آشرم وغیرہ کی قیدون مین مقید کرلیتی ہے پھر علم اور بچار اور ستسنگ کے
ذریعہ سے خواب غفلت کو دور کرکے اپنی ہی کوشش سے نجات پاتی ہے۔ غرض کہ اس
محدود زندگانی کا راز جسمین انسان ہر قدم پر جبر و قدر کو محسوس کرتا ہے بجز مسئلہ کرم و تناسخ
کے اور کسی صورت سے منکشف نہین ہوسکتا۔ انانیت حقیقی پر جو حجابات خودی یکے
بعد دیگرے انسان کے افعال ماضیہ کے نتائج سے عائد ہوئے ہین وہ حجابات جسقدر
خودی کی بیخکنی سے دور ہوتے جاتے ہین۔ اُسی قدر انانیت حقیقی اور قوت ارادی
انسان مین جلوہ گر ہوتی جاتی ہے۔ حتی کہ وہ تمام قیود مکان و زمان کو جنمین فی الحال
اپنے آپکو محدود و مقید پاتا ہے اپنی کوشش سے توڑتاڑ کر صاف نکل جاتا اور آزاد محض و

قادر مطلق ہوجاتا ہے ؎

تو بہر صورت کہ آئی بایستی	کہ منم واللہ تو آن نیستی
این تو کے باشی کہ تو آن اوحدی	کہ خوش وزیبا و سرستِ خودی
مرغ خویشی صید خویشی دام خویش	صدر خویشی فرش خویشی بام خویش
نے نہنگ غم زند بر کشتیت	نے پدید آید زمردن زشتیت
چون فراموشی خودی یادت کنند	بندہ گشتی آنگہ آزادت کنند
از خودی بگذر زمانے با خود آ	فانی حق شو کہ تا یابی بقا

روایت ہے کہ اُترکاشی مین ایک رشی رہتے تھے۔ یہ مقام کوہ ہمالہ پر گنگوتری کے قریب ٹیرھی کے راج مین گنگاجی کے کنارے پر واقع ہے اور نہایت پر فضا مقام ہے مثل کاشی کے متبرک سمجھا جاتا ہے۔ آب و ہوا بھی بہت خوب ہے۔ اسلیئے ہمیشہ سے رشی منیون کا جاے قیام رہا ہے۔ قرب وجوار مین چارون طرف جنگل ہے۔ ایک جانب گنگا کا سرد و شفاف پانی پتھرون پر نغمات ملائم کرتا ہوا بہتا ہے مین نے سادھوون کی زبانی سنا ہے کہ پانی کا ذائقہ اُترکاشی سے بڑھکر دوسری جگہ نہین ہے یہان کا گنگا جل نہایت شیرین ہاضم مقوی اور مفرح ہے۔ اس مقام مین جا بجا سادھوون کی کٹین صاف ستھری بنی ہوئی تھین۔ اکثر برہم چاری تحصیل علم کی غرض سے بود و باش رکھتے تھے۔ چونکہ رشی جی مہاراج علم و فضل مین فائق اور طاعت و عبادت مین راسخ تھے اسلیے سب سے معزز و ممتاز سمجھے جاتے اور سب خاص و عام انکی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مہاراج کی استری دیبی سروپ شاستر پڑھی ہوئی تھین شب و روز شوہر کی خدمتگزاری اور بچون کی تعلیم و پرورش مین مصروف رہتی تھین انکے دو بچے تھے لڑکا

سات برس کالڑکی تین برس کی - چند طالب علم بھی مہاراج کی کٹی کے پاس رہتے او
اُن سے تحصیل علم کیا کیا کرتے سنسکرت تو اُسوقت کی زبان ہی تھی اسواسطے شاستر کے
پڑھنے پڑھانے مین کچھ دشواری نہ تھی - یہ کٹی عین لب دریا پر واقع ہوئی تھی جس کا صحن
بطور خوش نما چبوترہ دریا کے کنارہ تک تھا - اس چبوترہ پر ایک سرسبز سایہ دار درخت تھا
اسکی چھاؤن مین مہاراج سندھیا پوجن کیا کرتے - صبح کے چار بجے ضروریات اور اشنان
سے فارغ ہوکر پوجن مین بیٹھ جاتے - سورج کے نکلتے نکلتے پوجن پاٹ سے نچنت ہوکر
شاگردون کی درس و تدریس شروع کردیتے پہر دن چڑھے طلبہ کو رخصت فرماکر بقدر سدرمق
کھانا تناول کرتے اور ذراسی استراحت کے بعد شاستر کے بچار مین مشغول ہوجاتے - دن ڈھلے
کے بعد سادھو - سنیاسی - برہم چاری - جاتری - جمع ہوجاتے اور اپنی اپنی مشکلات حل
کرتے - اس جلسہ سے بھی فراغت پاتے تو مہاراج شاگردون کو ساتھ لیکر سیر و تفریح کے لیے
جنگل چلے جاتے - راہ مین جو بوٹیان نظر آتین اُنکے صفات و خواص اُنکو بتاتے اور اکثر
اوقات شاگردون سے ارشاد فرماتے کہ نباتات کے خواص خوب جی لگاکر سیکھنے چاہئین
کیونکہ یہ مضمون جیسا کہ دلچسپ ہے ویسا ہی پرمنفعت بھی ہے اسکے سیکھنے مین جتنی کوشش کروگے
اُسی قدر نباتات سے فائدے حاصل کروگے اور اُنکے نقصانات سے بچوگے - نباتات
ہی سے انسان کی زندگی قائم رہتی ہے کیونکہ اسکی غذا عموماً نباتات ہی سے پیدا ہوتی ہے
بعض پھولونکی خوشبو کیسی فرحت افزا ہوتی ہے کہ دماغ تر و تازہ ہوجاتا ہے - سبزہ تو ہمیشہ دل کو
تفریح اور بصارت کو تیزی بخشتا ہے - بعض نباتات زہر کا اثر رکھتی ہین جنکے کھانے سے
انسان ہلاک ہوجاتا ہے بلکہ بعض تو ایسی زہر قاتل ہین کہ اُن کی بو ہی آدمی کو مار ڈالتی
ہے - برخلاف اسکے بعضی نباتات ممد حیات ہین جو انسان کی زندگی کو بڑھاتی اور طاقت

وتوانائی پیدا کرتی ہین۔ نباتات کی تاثیر جسم ہی پر محدود نہین ہے بلکہ انسان کے قلب پر بھی پڑتی ہے چنانچہ بعض کے کھانے سے ستوگن پیدا ہوتا ہے۔ بعض سے رجوگن بعض سے توگن اس لئے مضر و ممنوع غذا سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے۔ نباتات کے مختلف آثار و خواص ہماری توجہ کو اُس قدرت کاملہ کی طرف رجوع کرتے ہین جس نے ایسے عجیب و غریب خواص گھاس پات کو عطا فرمائے ہین ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار		ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

یہ بھی یاد رکھو کہ جمادات و نباتات مین کمال قدرت بطور خواص و آثار کے ظاہر ہوتا ہے حیوانات مین بطور حس و حرکت کے۔ انسان مین بطور فہم و ادراک کے اور کاملین مین بطور مشاہدہ و مکاشفہ کے ظہور کرتا ہے۔ الغرض اسی قسم کے عالمانہ بات چیت کرتے ہوے قبل غروب آفتاب اپنے استھان پر واپس آپہونچتے اور اشنان کرکے پوجن مین بیٹھ جاتے کچھ رات گئے تک بھجن مین مشغول رہتے۔ صبح شام ہوم کی وجہ سے سارا جنگل معطر ہو جاتا تھا۔ ہوا کے جھوکون مین مشک تاتار کی سی مہک آتی تھی۔ ریاست ٹیڑھی کے راجہ قدیم الایام سے دھرماتما ہوتے چلے آئے ہین اور فقرا کی خدمت و خبرگیری کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھا کیے ہین چنانچہ سادھوؤن اور بدیارتھیون کے لیے راج کی طرف سے اناج اور کپڑا مقرر تھا۔ اُسوقت مین جو راجہ گدی نشین تھے وہ بذات خود مہاراج کے درشنون کو کبھی کبھی حاضر ہوتے اور اُن کے اُپدیش سے فیض و فائدہ حاصل کرتے تھے۔ محبت کی وجہ سے جنگل کے جانور بھی ایسے مانوس ہو گئے تھے کہ بے کھٹکے کٹیون کے پاس چلے آتے تھے۔ مہاراج کے بچون کی عادت ہو گئی تھی کہ قریب شام چبوترہ پر اناج ڈالدیتے ہرن۔ ہرنیان۔ پاڑھے۔ چکارے وغیرہ دانہ چگا کرتے۔ یہ بچے اُن کے

چھوٹے چھوٹے بچون کے ساتھ کھیلتے اُنکو گود مین اُٹھائے اُٹھائے پھرتے ہرنیان پیاری پیاری نظرون سے دیکھتین گویا اس کھیل سے خوش ہین۔ ان چرندون کا بچا کھچا دانہ دنکا جو چبوترہ پر پڑا رہجاتا تھا اُسکے کھانے کو صبحدم پرندون کا جمگھٹ آموجود ہوتا تھا۔ طرح طرح کے خوش رنگ طوطے۔ مینا اور بہت سی برفستانی چڑیان جنکے پر نہایت ہی چمکدار چکنے اور رنگ برنگ کے ہوتے ہین دانہ چگنے آجاتی تھین چھوٹے بچے کبھی کبھی کسی طوطے کو جا پکڑتے اور اُسکو اپنے ہاتھون مین لیئے پھرتے جب وہ اس قید سے گھبراتا تو ٹین ٹین کرکے غل مچاتا بچے مارے خوف کے جھٹ چھوڑکر الگ ہوجاتے۔ غرض یہ بچون کے صبح شام کے کھیل اور دل لگیان تھین۔ مہاراج کے ہان دو گائین بھی پلی ہوئی تھین قد کی چھوٹی بدن سڈول۔ چہرہ مہرہ کی خوبصورت گویا تصویر کی حالت مزاج کی سیدھی سادی نہایت غریب کوئی چھوئے تو کان نہ ہلائین۔ انکی ٹہل خدمت شاگردون کے سپرد تھی۔ یہ لوگ روزمرہ خوب مل دل کر اُنھین نہلاتے اور ایسی صاف ستھری چکنی چپڑی رکھتے کہ دیکھنے والے اچنبھا کرتے۔ اُنکی تھانون کی صفائی بھی ایسے سلیقہ سے کرتے تھے کہ مجال نہ تھی جو تنکا پڑا پا جاے یا تری نمی بو باس کا اثر معلوم ہو۔ گائین دن بھر تو بن مین چرتی پھرا کرتین شام کو گھر آتین تو رشی جی اور اُنکی بیوی چمکار کر اُن کے منہ پر ہاتھ پھیرتے اور بڑی محبت سے پیار کرتے معمول تھا کہ روز صبح شام اُنکو دیکھ لیا کرتے تھے دونون بچے بچھڑون کے ساتھ کھیلا کرتے کبھی جی چاہتا تو طالب علمون کی مدد سے گایون کی پیٹھ پر جا سوار ہوتے وہ چپ چاپ کھڑی رہتین گویا بچون کی اس حرکت کو پسند کرتی ہین۔ یہ گائین دودھار بھی خوب تھین۔ دودھ مٹھا کھانے کے کام آتا اور گھی ہوم مین خرچ ہوتا تھا۔ اُس زمانہ مین سفر بڑا کٹھن تھا۔ اِس لیئے گنتی کے آدمی جاترا کو جایا کرتے تھے

آج کل ساحال نہ تھا کہ غول کے غول چلے جاتے ہین - خاصکر گنگوتری کی جاترا کو تو وہی لوگ جایا کرتے تھے جو بڑے دھرماتما اور پکے دیندار ہوتے تھے - اُنکی غرض جاترا سے محض یادِ الٰہی ہوتی تھی اور فقرا کی زیارت نہ کہ سیر سپاٹا - اس لیئے وہ لوگ برہم چریج اور نیم دھرم سے رہتے تھے - اور سادھو لوگ بھی اُن کو اپنے اپدیش سے فیض پہونچانے مین کوتاہی نکرتے تھے اب تو جاتریون کا ایک انبوہ کثیر ہوتا ہے تو چل مین چل ہر قسم کا آدمی اسمین شریک ہو جاتا ہے اس لیئے سچے سادھو کنارہ کش ہو گئے ہین اُنکے درشن بھی نصیب نہین ہوتے -

ایکبار ایک ساہوکار اپنی بیوی اور خدمتگارون سمیت گنگوتری کے جاترا کرنے کو اُترکاشی مین وارد ہوا - چند روز آرام و قیام کرنے کے بعد ایک دن سہ پہر کے وقت رشی جی کی خدمت مین حاضر ہوا اُس وقت بہت سے سادھو بھی شریک جلسہ تھے - مہاراج نے حسب معمول مسافرنوازی کی راہ سے مزاج پرسی کی حال احوال پوچھا - اُس نے کیفیت واقعی عرض کی اور کہا کہ مین اپنی بہو جی کو ساتھ لے کر گنگوتری کدارناتھ اور بدری ناتھ کی جاترا کو آیا ہون لیکن اصل مقصد جاترا کا آپ جیسے مہاتماؤن کے درشن ہین جن سے ہمارے پاپ کٹتے اور پُن زیادہ ہوتے ہین - اسی قسم کی گفتگو کرتے کرتے سیٹھ جی نے بہت منت سے کہا مہاراج مین آپ کی زبان مبارک سے پراربدھ اور پرشارتھ یعنی تقدیر و تدبیر کی نسبت کچھ تفصیل سننا چاہتا ہون کیونکہ اس باب مین مجکو بہت سے شکوک ہین اگر آپ مہربانی فرماکر یہ مضمون سمجھا دین اور میری تسلی ہو جاے تو مین سمجھونگا کہ میری جاترا مقبول اور میرا سفر سپھل ہوا -

مہاراج نے فرمایا سنو صاحب پرکرتی کے تین گن ہین - ستوگن - رجوگن - تموگن - یعنی پرکرتی کا ظہور ان تین حالتون مین ہوتا ہے - پرلے کے وقت یہ تینون گن حالت اعتدال مین ہوتے ہین جسکا نتیجہ سکون ہوتا ہے - پھر جب پیدایش عالم کا وقت آتا ہے تب ایشور کی

چیتن شکتی کے ذریعہ سے ان گنون مین تحریک شروع ہوتی ہے اور مادے کے ذرے حالت سکون سے نکلکر قوانین قدرت کے مطابق ایک دوسرے سے ملنے لگتے ہین اور ان ذرون کے میل جول سے عالم اور عالم کی تمام اشیا صورت پکڑتی ہین۔ رفتہ رفتہ موالید ثلاثہ یعنی جمادات نباتات حیوانات کا اور حیوانات مین انسان کا ظہور ہوتا ہے مگر ان تین گنون مین سے ایک گن ہمیشہ غالب رہتا ہے اور باقی دو مغلوب جسوقت کسی شے مین کوئی گن غالب ہوتا ہے۔ اُسوقت وہ شے اُسی گن سے نامزد کیجاتی ہے مثلاً جسمین ستوگن کی زیادتی ہے اُسکو ستوگنی اور جسمین رجوگن کی اُسکو رجوگنی اور جسمین تموگن کی اُسکو تموگنی کہتے ہین۔ غرض اس عالم کی کوئی شے ان تین گنون سے خالی نہین۔ البتہ ایشور کی چیتن شکتی یعنی روح جو غیر مادی ہے ان گنون سے مبرا و منزہ ہے۔ روح کے گن سچدانند ہین اور اُن کا ظہور اور اُن کی تکمیل پرکرتی کے گنون کے وسیلہ سے ہوتی ہے۔ آفرینش عالم کا منشا یہی ہے کہ روح مین جو گن مضمر و مخفی ہین وہ پرکرتی کے گنون کے ذریعہ سے ظہور مین آئین اور بتدریج نشو و نما پاکر مکمل ہو جائین۔ روح مین جب تک تعین نہین آتا اُسوقت تک اُسکے تینون گن مخفی و مستور رہتے ہین۔ پس تعین پیدا کرنے کی غرض سے روح کو اجسام کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ لہذا پرکرتی کے تینون گن روح پر اجسام کے ذریعہ سے ایک خاص اثر پیدا کرکے اُسکے ذاتی گنون کو بتدریج ظہور مین لاتے اور اُنکو درجہ کمال پر پہونچاتے ہین۔ ستوگن کا خاصہ روشنی ہے لہذا اُس سے گیان و سرور پیدا ہوتا ہے۔ رجوگن کا خاصہ حرکت ہے لہذا اُس سے تعلق و خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تموگن کا خاصہ تاریکی ہے لہذا اُس سے جہل و مدہوشی پیدا ہوتی ہے۔ ستوگن سے روح مین علم سرور شانتی ویراگ دھرم محبت استقلال پیدا ہوتے ہین۔ رجوگن سے شہوت

غصہ طمع بغض -حسد -خود غرضی -تلون مزاجی پیدا ہوتے ہین -تموگن سے جہل -خودی تکبر کاہلی -بیہوشی -ناپاکی اور خوف پیدا ہوتے ہین -ستوگن کا نتیجہ گیان ہوتا ہے -رجوگن کا رنج تموگن کا اگیان -ستوگن کا رنگ سنہری منور ہوتا ہے رجوگن کا سرخ -تموگن کا سیاہ غرض جونسا گن انسان مین کم و بیش ہوتا ہے -اُسی کی مطابقت سے اجسام اور تیجس تبدیل ہوتے جاتے ہین -پس انسان کے کرمون کا رجسٹر ہمیشہ اُسکے ساتھ رہتا ہے اور جو شخص گنون کا علم رکھتا ہے اُس کو پڑھ سکتا ہے اور جان سکتا ہے کہ کس انسان مین کس گن کی زیادتی ہے -

انسان اول تموگن سے شروع کرتا ہے یعنی اول جہل و خودی غالب ہوتی ہے اور وہ مثل جانورون کے زندگی بسر کرتا ہے اور اُسکی خواہشون کی غایت صرف یہ ہوتی ہے کہ جسمانی ضرورتین رفع ہو جائین -اور چونکہ تموگن سے روح مین ست کا ظہور ہوتا ہے تو انسان سمجھتا ہے کہ مین بھی ایک جداگانہ شے ہون جیسے کہ اس عالم مین اَور اشیا ہین اس طور سے بہت سے جنمون مین جب کہ اُسکی خودی پختہ ہو جاتی ہے تو وہ جہل و مصیبت سے عاجز آکر کاہلی کو ترک کرتا اور اپنے احوال کی درستی مین مصروف ہوتا ہے یعنی تموگن کو چھوڑ کر رجوگن مین داخل ہو جاتا ہے -چونکہ رجوگن سے روح مین چت کا ظہور ہوتا ہے پس انسان اپنی کوشش سے علوم و فنون ظاہری مین ترقی کر کے لذات حسی و ذہنی کا حظ اُٹھاتا ہے -آخر کار ان لذات سے سیر ہو کر اُنسے بھی دل برداشتہ ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی رجوگن کو چھوڑ کر ستوگن مین داخل ہوتا ہے چونکہ ستوگن سے روح مین انبند کا ظہور ہوتا ہے لہذا انسان ہوا و ہوس سے دل کو پاک کر کے شانتی حاصل کرتا ہے -تموگن سے انسان مین خودی کثیف پختہ

ہوتی ہے جسکو لذات حسی مین راحت ملتی ہے رجوگن سے یہ کثیف خودی لطیف ہونا شروع ہوتی ہے تب بجای لذات حسی کے مذاق ذہنی مین راحت معلوم ہوتی ہے ستوگن سے یہ لطیف خودی لطیف تر ہو جاتی ہے اور ظاہر سے ہٹ کر باطن مین سرور پاتی ہے اسیطرح بتدریج انانیت حقیقی کی طرف چلتی جاتی ہے۔ تموگن حیوان کا خاصہ ہے رجوگن انسان کا اور ستوگن ملائک کا۔

بھگوت گیتا مین ہدایت ہے کہ طالب حق کو شروع مین یہ کوشش کرنی چاہیے کہ رجوگن و تموگن مغلوب ہون اور ستوگن غالب ہو کیونکہ ستوگن کی زیادتی سے سچا علم اور شانتی حاصل ہوگی۔ جس سے مقصد زندگی کو سمجھیگا اور بذریعۂ عمل اُس کے حصول کی طرف متوجہ ہوگا۔ ستوگن کی زیادتی اس طور پر ہوتی ہے کہ انسان اپنے دل کو رجوگنی اور تموگنی چیزون سے ہٹا کر ستوگنی چیزون مین لگاے مثلاً لطیف غذا۔ نیک صحبت دینیات کا مطالعہ حسن اعمال۔ طاعت و عبادت۔ وغیرہ۔ جب کہ ستوگن کو ترقی ہوتی ہے تو انسان کے اجسام سے رجوگن اور تموگن کا اخراج ہوتا ہے۔ خیالات و خواہشات کی وجہ سے ہر لمحہ انسان کے گنون مین کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جب کل اجسام خالص ستوگن کے بنجاتے ہین تو اُن مین روح کا ظہور کامل طور پر ہوتا ہے جیسے چمنی کی صفائی سے لمپ کی روشنی صاف نظر آنے لگتی ہے۔ روح مین کسی طرح کی کدورت نہین ہے بس کدورت ہے تو اُن پردون مین ہے جنکی وجہ سے روح کا ظہور ناکمل ہوتا ہے پس روح کے ظہور کامل کے لئے صرف پردون کی صفائی درکار ہے جو ستوگنی خیالات و خواہشات و افعال سے حاصل ہوتی ہے برخلاف اسکے رجوگنی اور تموگنی خیالات و خواہشات و افعال سے اُن پردون مین کدورت آجاتی ہے۔

سبھاؤ یعنی گنون کی مجموعی کیفیت انسان کو مرنے کے بعد وہان لے جاتی ہے
جہان اُسکے گنون کے موزون حالات میسر ہون تاکہ ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہے جب
انسان ستوگن کی زیادتی مین مرتا ہے تو روحانی شخصون کے گھر پیدا ہوتا ہے جب
رجوگن کی زیادتی مین مرتا ہے تو معمولی دنیادارون کے گھر پیدا ہوتا ہے اور تموگن
کی زیادتی مین مرتا ہے تو جاہلون کے گھر پیدا ہوتا ہے۔ ارجن نے جب مہاراج سری
کرشن جی سے سوال کیا کہ جو شخص جوگ کا سادھن کرتے ہوئے قبل از تکمیل مرجاتا ہے تو
اُسکی کیا حالت ہوتی ہے۔ اُسوقت مہاراج نے فرمایا کہ وہ دھرماتما والدین کے گھر پیدا
ہوتا ہے اور جو سادھن اُسنے گزشتہ جنم مین کیا تھا اُسکو جلد ختم کرکے آگے ترقی کرتا ہے
اے ارجن نکوکار کبھی غارت نہین ہوتا۔

پراربدھ کے معنی ہین شروع کیا گیا پس سنچت کرم کا وہ حصہ جس کو لیکر یہ جنم
شروع ہوتا ہے پراربدھ کہلاتا ہے۔ یوگ شاستر مین پراربدھ کے تین نتائج بیان کیے ہین
ذات۔ عمر۔ اور بھوگ۔

اول ذات۔ ذات سے مراد برن سے ہے یعنی برہمن۔ چھتری۔ ویش و شودر
جب سرگ کے بھوگ پورے ہوجاتے ہین تو جیو بذریعہ کارن شریر وہان سے نزول
کرتا ہے اور کام لوگ مین اُسکے پچھلے جنم کی خواہشون کے بموجب اُسکا جسم لطیف
تیار ہوتا ہے۔ بعد ازان وہ رحم مادر مین داخل ہوتا ہے جہان مان باپ کے تخم سے اُسکا
جسم کثیف بنتا ہے اور مان کے خون سے پرورش پاکر نو مہینے بعد اس عالم مین پیدا
ہوتا ہے۔ پس مان باپ کے تخم سے بنا ہوا جسم اُنکے گنون کے بھی مطابق ہوتا ہے اور
اُس شخص کے اپنے گزشتہ جنم کے گنون کے بھی مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ

جیو ایسے مان باپ کے یہان بھیجا جاے جنکے گن اُس شخص کے گنون سے مطابقت رکھتے ہون تاکہ اُسکے سبھاؤ کے موزون جسم کثیف بنے اور اس عالم ظاہری مین اُس سبھاؤ کا مددگار ہو۔

دوم عمر - جن گنون کی وجہ سے جیو کا جنم خاص والدین کے گھر ہوتا ہے۔ اُنھین گنون کے نتائج سے اُسکو ایسا جسم کثیف ملتا ہے کہ جو ایک خاص مدت تک کام دے سکے یعنی اگر والدین توانا و تندرست ہین تو یہ جسم کثیف خوب مضبوط ہوگا جسمین بہ نسبت کمزور جسم کے صلاحیت زیادہ عمر کی ہوگی۔ اگر مان باپ کمزور یا بیمار ہین تو اُسکا جسم کثیف کمزور یا بیمار ہوگا جو زیادہ مدت تک کام نہ دے سکیگا پس عمر بھی معمولی طور پر جسم کثیف کی بناوٹ سے قائم ہو جاتی ہے۔

سوم بھوگ - پیدایش سے بلوغ تک جو زمانہ گذرتا ہے۔ اُس مین جو جو تکلیف یا آرام انسان کو پہونچتا ہے وہ سب پراربدھ کا نتیجہ ہے کیونکہ ان بھوگون کے حصول مین جیو کو ہنوز اختیار و قابو نہین ہے۔ باقی عمر کی بھوگ کچھ پراربدھ کا نتیجہ ہے کچھ پرشارتھ کا پس ذات ہوئی یا عمر ہوئی یا بھوگ ہوئے یہ سب پراربدھ کا نتیجہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ بعد بلوغ و تمیز نیک و بد جب سے کہ انسان کا نیا پرشارتھ شروع ہوتا ہے پراربدھ مین تبدیلی پیدا کر سکتا ہے یا نہین۔ چونکہ پراربدھ ہمارا گذشتہ پرشارتھ ہے اسلیے اُسمین حال کے پرشارتھ سے بے شک ہم تبدیلی پیدا کر سکتے ہین غور کیجیے

(ا) بھوگ - سن بلوغ تک جو تکلیف یا آرام ہمکو پہونچتا ہے وہ ہمارے اختیار سے باہر ہے کیونکہ پرشارتھ حال اب تک شروع ہی نہین ہوا۔ پراربدھ محض ہے رہے باقی عمر کے سکھ دُکھ اُن مین بیشک ہم اپنے پرشارتھ سے تبدیلی پیدا کر سکتے ہین۔ روزمرہ دیکھنے مین

آتا ہے کہ ایک شخص غریب والدین کے گھر پیدا ہوا مگر اپنی کوشش سے اپنی حالت کو سنوار لیتا ہے اور بہت آسایش اور آرام سے زندگی بسر کرتا ہے خلاف اسکے وہ شخص جسکو پراربدھ نے بہت آسودہ حالت مین رکھا تھا اپنی بدچلنی سے بہت بدتر حالت کو پہونچ جاتا ہے۔

(۲) عمر۔ بعض شخص شروع بلوغ مین بہت تندرست ہوتے ہین مگر اپنی بے اعتدالی سے اپنی تندرستی بہت خراب کر لیتے ہین اور جلد مر جاتے ہین برخلاف اسکے بعض شخص شروع جوانی مین کمزور ہوتے ہین مگر اپنی عمدہ طرز زندگی سے بہت تندرست ہو جاتے ہین اور عمر دراز کو پہونچتے ہین۔ پرانون مین ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہین کہ نیک افعال سے عمر بڑھتی ہے اور بدافعال سے گھٹتی ہے۔ ایک جگہ شاستر مین لکھا ہے کہ سالہائے شمسی یا قمری سے عمر قائم نہین کیجاتی کیونکہ جس جگہ وہ قائم کی جاتی ہے وہان شمس و قمر نہین بلکہ سوانس یعنی انفاس سے قائم کی جاتی ہے۔ ہر شخص معین مقدار انفاس اپنی پراربدھ کے مطابق پاتا ہے جب یہ مقدار پوری ہو جاتی ہے تو اسکی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تموگن مین سب سے زیادہ سوانس چلتی ہے رجوگن مین اس سے کم اور ستوگن مین اس سے بھی کم پس نیک افعال جو ستوگن کا نتیجہ ہین ممد حیات ہوتے ہین اور بدافعال جو رجوگن و تموگن کا نتیجہ ہین مضر حیات ہوتے ہین یہی وجہ ہے کہ یوگ سے عمر زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۳) ذات۔ کوئی فرضی چیز نہین جیسا کہ اس زمانہ مین سمجھی جاتی ہے۔ اپنے اور والدین کے گنون کی مجموعی حالت یا سبھاو سے ذات بنتی ہے بھگوت گیتا مین چارون برن کے سبھاؤ بیان کیے ہین اور یہ بھی کہا ہے کہ سبھاو بہت زبردست چیز ہے۔ پس سبھاؤ مین تبدیلی بتدریج ہوتی ہے اسی واسطے ذات مین تبدیلی عموماً ایک جنم مین نہین ہوتی بعض صاحبون کا یہ خیال ہے کہ ذات کرم پر موقوف ہے نہ والدین پر جو جس برن کے کرم کرتا ہے وہی اسکی

ذات ہے غور کیجیے۔ انسان کا جسم کثیف والدین کے تخم سے بنتا ہے اور اُنکے سبھاؤ ہمین آتے ہین لہذا جس جسم مین ایک برن کے ذرات ہین وہ دوسرے برن کے کرم کرنے سے یکایک کیونکر تبدیل ہو جاوینگے۔ سات برس سے کم مین کل ذرات جسم کا اخراج نہین ہوتا پس اگر انسان قانون کرم کا پورا علم رکھتا ہو اور پورا ضابط بھی ہو (جو یوگی کے سوا ممکن نہین) تو سات سال مین وہ ذات تبدیل کر سکتا ہے لہذا ذات کی بنیاد گن کرم اور والدین تینون پر ہے اندنون ذاتین ایسی مخلوط ہو گئی ہین کہ گن کرم کا تو کچھ پتا نہین محض والدین پر منحصر ہین مگر پہلے ایسا نہ تھا۔

بیان مذکور الصدر سے واضح ہے کہ ہم اپنے پراربدھ مین موجودہ پرشارتھ کے ذریعہ سے تبدیلی پیدا کر سکتے ہین۔ ایک گیند جو ہم نے سطح زمین پر پھینکی وہ ایک خاص سمت کو رفتار معین سے جا رہی ہے اگر ہم اُس گیند مین اب ایک اور زور لگا دین تو ہمارے منشا کی موافق اُس گیند کی سمت اور رفتار دونون مین تبدیلی ہو سکتی ہے۔ مگر ایسا کرنے کے لئے ہم کو قوانین جر ثقیل کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جو قوانین کرم سے واقف ہین وہ پرشارتھ حال کے ذریعہ سے پراربدھ مین مطلوبہ تبدیلی پیدا کر سکتے ہین مگر اسکے لیے علم و تپ کی ضرورت ہے جو معمولی آدمی کے بوتے کے نہین البتہ اسے اعلےٰ درجہ کے انسان کر سکتے ہین۔ لیکن معمولی آدمی بھی اپنے پرشارتھ سے بتدریج اپنے آپ مین یہ قوت پیدا کر سکتا ہے بشرطیکہ علم حاصل کرے اور اُسکا عامل بنے چنانچہ اعلیٰ درجہ کے انسان بھی کسی وقت معمولی آدمی تھے جو اپنے پرشارتھ سے اس اعلیٰ مرتبہ کو پہونچے ہین ایک دریا جو کسی سمت کو معین تیزی سے بہ رہا ہے اُس مین جب دوسرا دریا آکر ملتا ہے تو اُسکی سمت اور تیزی دونون مین تبدیلی پیدا کرتا ہے اسی طرح جو کوشش نیکی کی جانب

قوانین کرم کے بغیر سمجھے بھی انسان کرتا ہے وہ رائگان نہین جاتی بلکہ تدریج پراربدھ
کے دریا مین تبدیلی بجانب مطلوب پیدا کرتی ہے۔ جس قدر پرشارتھ مین زور ہوگا اُسیقدر
پراربدھ مین تبدیلی پیدا کر سکیگا۔ اسکے یہ معنی نہین کہ کرم کے نتائج دور ہو سکتے ہین یا اُن مین
کمی بیشی ہو سکتی ہے بلکہ یہ معنی ہین کہ انکا بدل ہو سکتا ہے معمولی آدمی اپنی کوشش سے یہ
تبدیلی بتدریج پیدا کرتا ہے اور غیر معمولی انسان اپنے علم وتپ سے تبدیلی مطلوب جلد پیدا
کرلیتا ہے مگر کفارہ یعنی بدل مناسب ہر صورت مین درکار ہے بلا کفارہ کے نتائج افعال سے
کسی طرح انسان بچ نہین سکتا۔ مقدار معین سے زیادہ کھانا کھالیا پیٹ مین درد ہوگیا دوا
یا ورزش سے ہاضمہ درست ہوکر وہ درد جاتا رہا پس یہی اُسکا کفارہ ہے یہی کیفیت کل
مضمون پراربدھ اور پرشارتھ کی سمجھو اگر پراربدھ مین کفارہ نہوتا تو انسان ترقی نکر سکتا۔

سیٹھانی رشی جی مہاراج کے گھر مین حاضر ہوئین اور ماتا جی کو اپنی محبت وخدمت
سے خوش کیا۔ ماتا جی نے کل کیفیت اُنکی پوچھی معلوم ہوا کہ اُنکو اولاد کے نہونے کا بڑا غم
ہے۔ ماتا جی نے براہ رحمدلی رشی جی مہاراج سے سفارش کی مہاراج نے اپنے یوگ
بل سے دریافت کیا کہ یہ سابقہ جنم کے ایک کرم کا نتیجہ ہے۔ اُنھون نے فرمایا اگر یہ دونون
شخص پرائشچت کرین یعنی چھ ماہ تک برہم چرج سے رہکر دن مین ایک وقت ستوگنی
کھانا کھا کر صبح شام نہا کر اور دل یکسو کرکے اس منتر کا پانچ پانچ ہزار مرتبہ جپ کرین تو انکے
پتر ہوگا۔ چنانچہ دونون نے گھر پہونچکر اسپر عمل کیا اور اُنکے یہان جیتا جاگتا پتر پیدا ہوا۔

آزادی

بل بے آزادی خوشی کی روح امیدون کی جان	بلبلہ سان دم سے تیرے بچ کہتا ہے جہان
ملک ودنیا کے تیرے بس ایک کرشمہ پر لٹین	خون سے کھودیا ہائین نام پر تیرے مرین

ہائے مکتی رستگاری ہائے آزادی نجات
مقصد جملہ مذاہب ہے فقط تیری ہی ذات

انگلیون پر بیٹھے گنتے رہتے ہین ہفتے کے روز
کتنے دن مین آئیگا یکشنبہ آزادی فروز

صاحبو یہ نیند بھی میٹھی نہ لگتی اس قدر
قید تن سے دو گھڑی دیتی نہ آزادی اگر

قید مین پھنسکر تڑپتا مرغ ہے حیران ہو
کاش آزادی ملے تن کو نہین تو جان کو

لحہ جو لذت مزے کا تھا وہ آزادی کا تھا
سچ کہین لذت فزا جو تھا وہ آزادی ہی تھا

کیا ہی آزادی جہان جب جی چاہے کرین
کھانا پینا عیش و عشرت مین سب بن کاٹ دین

رم برانڈی کی مقید سچی آزادی سے دور
ہو گئے نشہ پہ لٹو بھر آزادی سرور

کیا یہ آزادی ہے صاحب یہ تو آزادی نہین
گوے چوگان کی پریشانی ہے آزادی نہین

اسپ ہو آزاد سرپٹ قید ہوتا ہے سوار
اسپ ہو مطلق عنان حیران رہتا ہے سوار

اندریون کے گھوڑے چھوٹے باگ ڈوری توڑکر
وہ مرا وہ گر پڑا اسوار سر منہ پھوڑ کر

جان من آزاد کرنا چاہتے ہو آپ کو
گر رہے آزاد کیون ہو آستین کے سانپ کے

ہان وہ ہے آزاد جو قادر ہے دل پر جسم پر
جسکا من قابو مین ہے قدرت ہے شکل و اسم پر

گیان سے ملتی ہے آزادی یہ راحت سربسر
وار کر پھینکون مین اسپر دو جہان کا مال و زر

فصل ہشتم

روح کی تعلیم و تربیت

ایک بار سوامی جی سے مین نے سوال کیا کہ مہاراج اگر خدا قادر مطلق اور عین رحم ہے جیسا کہ آپ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو دنیا مین اس قدر تکلیف کیون ہے؟ اس تکلیف کے دیکھنے سے تو یہ شبہہ ہوتا ہے کہ یا تو خدا قادر مطلق نہین یا پورا رحیم نہین

کیونکہ جہان قدرت اور رحم دونون جمع ہون وہان تکلیف کا کیا کام - ہم اپنے بچون کو بمقتضاے
محبت راحت پہونچانے کی کوشش کرتے ہین جہانتک کہ ہم کو قدرت ہے پھر بھی پورا
پورا آرام نہین پہونچا سکتے کیونکہ ہم مجبور ہین - بعض لوگ ہم سے زیادہ اپنے بچّون کو
راحت رسانی کی قدرت رکھتے ہین مگر وہ اسلیئے نہین پہونچاتے کہ اُنکے دل مین کافی
محبت نہین ہے - اگر انسان کو پوری محبت اور پوری قدرت حاصل ہو تو میرے خیال مین
اُسکے بچون کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچے بلکہ وہ کامل آرام کے ساتھ زندگی بسر کرین -
چونکہ خدا قادر مطلق اور عین رحم ہے اور اپنے بچّون کو سرور دائمی کے لیئے پیدا کرتا ہے
تاہم تمام عالم مصیبت مین مبتلا ہے کوئی متنفس رنج والم سے خالی نہین اس حالت سے
تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ منجملہ اِن دو صفات کے ایک صفت مین وہ ناقص ہے اگر قادر مطلق
ہے تو کامل رحیم نہین اور اگر رحم مین کامل ہے تو پوری قدرت نہین رکھتا ورنہ یہ عالم بہشت ہوتا
اور ہر فرد بشر فرشتہ صفت خوش وخرم اپنی حالت موجودہ مین مسرور رہتا - پس اگر خدا
مجبوری وناچاری کی وجہ سے ہماری مدد نہین کرسکتا تو اُسکی پرستش لاحاصل ہے - پیر خود
درماندہ شفاعت کرا کند - اور اگر اتنا رحیم نہین کہ سب کے ساتھ یکسان محبت رکھے بلکہ
کسی سے دوستی کا برتاؤ کرتا ہے اور کسی سے دشمنی کا تو ایسے خوفناک خدا کو دور ہی سے
سلام ہے - سوامی جی معاف کیجیئے یہ سوال کفر پر مبنی ہے مگر مین کافر نہین ہون بلکہ اس
مسئلہ کی تحقیق چاہتا ہون تاکہ میرے دل کا تردد رفع ہوجاے -

سوامی جی نے فرمایا کہ آپ نے یہ سوال حد کفر تک نہین پہونچایا کیونکہ منکر خدا تو نہین ہو
دہریئے - نیچریے اور آج کل کے علوم مادہ کے عالم تو سرے سے خدا کی ضرورت ہی
نہین سمجھتے کیونکہ اُن کی راے مین صرف قوانین قدرت انتظام عالم کے لیئے کافی ہین

اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مین پہلے وجود خدا کی نسبت چند دلائل پیش کرون اسکے بعد آپ کے سوال کا جواب دونگا۔ یہ بحث ہے تو بڑی طول طویل مگر مین مختصر ہی بیان کرتا ہون۔

(۱) یہ تو ثابت ہو چکا کہ انسان کی فطرت مین سچدآنند کی طلب ہے کیونکہ سچدآنند ہی اسکی اصل ہے اور وہ ہمیشہ اپنی اصل کی طرف رجوع کرتا ہے ؎

این کسے داند کہ روزے زندہ بود	از کف آن جان جان جامے ربود

بھگوت گیتا مین لکھا ہے کہ میرا انس یعنی جز اس عالم مین جیو ہو کر قلب اور حواس کے ذریعے سے سنسار کا بھوگ کرتا ہے اور جب سیر ہو جاتا ہے تو ترک و تجرید اختیار کر کے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور حصول تکمیل کے ذریعہ سے مرجع اصلی کو پہونچنا چاہتا ہے توریت مین بھی آیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یعنی اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے

عین دریاست حبابم بہ نگاہ تحقیق	ورنہ این قطرہ چرا شورش دریا میکرد

قرآن مین بھی آیا ہے نفخت فیہ من روحی یعنی پھونکی ہم نے انسان مین اپنی روح پس سچدآنند ایشور کا وجود ضرور ہے جسکی طرف اسکا جز انسان ہمیشہ رجوع کرتا ہے اور تاوقتیکہ مرتبہ کمال کو نہین پہونچتا سعی و کوشش سے باز نہین رہتا ؎

عین ہستی خود توئی پس از تو چون منکر شویم	حجت ہستی تست این حجت وانکار ما

(۲) اگر آپ رستہ مین ایک پتھر دیکھین اور کوئی پوچھے یہ کہان سے آیا تو غالباً آپ یہ جواب دینگے کہ مادہ کے ذرے جمع ہوتے ہوتے ایک عرصۂ دراز مین پتھر کی صورت پکڑ گئے۔ اچھا آگے چلکر ایک گھڑی پڑی پائین اور سائل وہی سوال کرے تو پہلا

جواب کافی نہوگا کیونکہ اُسکے مختلف پرزون کی ترتیب ایک غرض خاص کا پتا دیتی ہے غالباً آپ یون کہینگے کہ صناع نے یہ گھڑی اظہار وقت کے لئے بنائی ہے۔ اسیطرح کسی بن مین گذر ہو اور وہان آپ سے پوچھا جاے کہ یہ درخت کہان سے آئے تو کیا جواب دوگے۔ شاید یہ دوگے کہ یہ تو خودرو ہین۔ جم نکلے۔ مگر ایک کمرہ مین میز کرسی وغیرہ سب سامان مرتب رکھا ہو تو کیا اُسکی نسبت بھی یہی جواب دے سکتے ہو کہ خودرو ہین نہین بلکہ اُن کی ساخت و ترتیب جو غرض خاص کے لیے کی گئی ہے ایسا جواب دینے سے مانع ہوگی۔ لامحالہ آپ کہینگے کہ یہ اشیا انسان نے اپنی آسایش کے لیے بنائی اور ترتیب دی ہین۔ اگرچہ پتھر اور درخت کی ساخت مین بھی صنعت و حکمت ہے مگر ہماری چشم بصیرت دور بین نہین اسلیے ہم اُنکی غرض و غایت کو سمجھ نہین سکتے۔ گھڑی اور میز کرسی وغیرہ کی صنعت و ترتیب ہم کو صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ اگر انسان غور کرے تو معلوم ہوگا کہ اس عالم کے کل پرزے ایسی صنعت کے ساتھ بنائے اور ایسی حکمت سے ترتیب دیے گئے ہین اور ایسے اتحاد کے ساتھ کام کرتے ہین کہ بغیر ایک صانع فہیم کے محض مادہ ہرگز نہین بنا سکتا۔ قوانین قدرت اپنے مقنن کے وجود پر دلالت کرتے ہین کیونکہ بغیر دانا مقنن کے قانون کی ہستی ہو نہین سکتی۔ پس کل عالم مین خاصکر انسان کی ساخت مین صنعت عجیب اور ترتیب غریب اور ضوابط دائمی کی پابندی کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک صانع حقیقی اس عالم کا ضرور ہے جسکی عقل کل اور قدرت کاملہ سے نظام عالم قائم ہے ؎

کارکن درکارگہ باشد نہان +	تو برو درکارگہ بینش عیان +

(۳۳) ہر قوم و ملت کے کاملین کا اس پر اتفاق ہے کہ ذات باری کے قرب سے ہی

انسان کامل ہوسکتا ہے اسکے سوا کوئی اور صورت حصول کمال کی نہین ہے اور اُن کا ذاتی تجربہ ہے کہ جسقدر اس ذات پاک کا قرب انسان کو ہوتا ہے اُسی قدر اُس کا علم وسرور زیادہ ہوجاتا ہے - جس نے ایک جھلک بھی جمال ذات کی دیکھ لی اُسکی نظر مین دنیا و مافیہا کی راحت ہیچ ہوجاتی ہے ؏

گر ببینی یک نفس حسنِ وِدود	اندر آتش افگنی جانِ وجود
جیفہ بینی بعد ازان این شرب را	چون بہ بینی کرّ و فرِّ قرب را

اور جو لوگ فقر و فنا مین کمال کو پہونچتے ہین اُنکے علم وسرور کا تو کچھ بیان ہی نہین ہوسکتا ؏

آن گروہے کہ رہیدند از وجود	چرخ و مہر و ماہ شان آرد سجود

شوتیاشتر اُپنشد مین لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رشیون نے جمع ہوکر بچار کیا کہ اِس عالم کا صانع اور منتظم کون ہے ؟ اول اُنھون نے اُن مسائل پر غور کیا جو اُس وقت رائج تھے - چنانچہ کال - سبھاؤ - نیت - یدرِچھا - پرکرتی - پُرش - یہ چھ چیزین جدا جدا مختلف فرقون کے نزدیک موجد عالم سمجھی جاتی تھین -

(۱) ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ کال یعنی زمانہ موجد عالم ہے عالم کی آفرینش اور بقا و فنا سب کال ہی سے ہوتی ہے - کُل تغیرات کال ہی کرتا ہے - سمندر کی جگہ پہاڑ اور پہاڑ کی جگہ سمندر - بیابان کو آبادی اور آبادی کو بیابان کال ہی بناتا ہے - اقوام کا عروج و زوال - علوم و فنون مین پایۂ بلندی پر پہونچنا اور پھر جہالت مین غرق ہوکر فنا ہوجانا یہ سب کال ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے - غرض کال سب سے زبردست ہے کوئی اسکا مقابلہ نہین کرسکتا - بڑے بڑے بہادر سورما - سلاطین اعظم - حکماے نامدار - علماے فضیلت شعار امراے کامگار سب کو وہی بناتا اور انجام کار فنا کردیتا ہے ؏

کہان ہے داراکہان سکندر کہان فریدون کہان حشم ہے	
	یہ سب کے سب خاک کے تھے پتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

پس کال ہی اس عالم کا موجد و منتظم ہے۔ کوئی دوسرا نہین۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ زمانہ پیدایش عالم کے بعد شروع ہوتا ہے کیونکہ سلسلہ واقعات کا نام زمانہ ہے اور سلسلہ واقعات ظہور عالم کے بعد ہوتا ہے لہذا زمانہ جو کہ عالم سے موخر ہے اسکا موجد نہین ہو سکتا علاوہ ازین زمانہ علیم و فہیم نہین لہذا وہ عالم کا صانع نہین ہو سکتا۔

(۲) دوسرے فریق کا دعویٰ ہے کہ سبھاؤ یعنی فطرت اس عالم کی موجد ہے۔ ذرات مادی کا سبھاو زمان لامحدود سے یہ چلا آتا ہے کہ وہ کشش اتصال سے کسی وقت خاص پر مجتمع ہوکر ظہور عالم کا سبب ہوتے ہین اسی طرح کسی وقت خاص پر کشش انفصال سے منتشر ہوکر خفاے عالم کا باعث ہوجاتے ہین اور یہ ظہور و خفا ہمیشہ یکے بعد دیگرے ذرات کے سبھاو سے ہوا کرتا ہے۔ بھگوت گیتا مین ایک اشلوک ہے جس کے معنی یہ ہین کہ کرم اور کرم کا کرنا اور کرم کا پھل سبھاؤ سے ہوتے ہین۔ ہر ایک شے اِس عالم مین اپنے سبھاؤ کے مطابق کام کرتی ہے۔ خلاف اُسکے کوئی کچھ نہین کرسکتا لہذا سبھاؤ ہی اِس عالم کا موجد و منتظم ہے۔ اسپر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سبھاؤ جو علیم و فہیم نہین ہے وہ اتصال و انفصال ذرات اور اُنکی ترتیب مناسب کا موجد کیونکر ہو سکتا ہے۔ انتظام عالم کے دیکھنے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص غرض کے لیئے عجیب و غریب صنعت کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے جسکا وجود بغیر صانع حکیم و فہیم کے ممکن نہین۔ پس سبھاؤ اِس کا موجد نہین ہو سکتا۔

(۳) تیسرے فریق کا دعوی ہے کہ نیت یعنی قانون ہی اس عالم کا موجد ہے۔ کیونکہ

کل عالم کا دارومدار قانون پر ہے - ہر ایک شے پابند قانون ہے - ایک ذرہ بھی خلاف ضابطہ کارروائی نہین کرسکتا - ہر ملک و قوم کا انتظام بھی قانون پر موقوف ہے بلکہ جمادات نباتات حیوانات اور انسان سب کے سب پابند قانون ہین - ہر قسم کی تکلیفات قانون کے برخلاف کارروائی کرنے سے پیدا ہوتی ہین اور تمام تر راحت و آرام قانون کی پابندی سے حاصل ہوتے ہین - پس قانون کے سوا کوئی موجد و منتظم اس عالم کا قرار نہین دیا جاسکتا - اس راے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ عالم قوانین وضوابط کا پابند ہے لیکن قانون کا وجود اور اسپر عملدرآمد کرانا بغیر دانا اور زبردست مقنن کے نہین ہوسکتا اسلیے قانون بذات خود موجد عالم خیال نہین کیا جاسکتا بلکہ خود اسکے واسطے ایک حاکم قوی کی ضرورت ہے -

(۴) چوتھے فریق کا بیان ہے کہ یدرچھا یعنی اتفاق ہی موجد عالم ہے - ذرات مادی اتفاقاً جمع ہوتے اور اتفاقاً منتشر ہوجاتے ہین اسلیے ہر ایک شے اس عالم کے حالت تغیر مین رہتی ہے ایک حالت پر کسیکو قیام نہین - اس تغیر تبدل کے دیکھنے سے یقین ہوتا ہے کہ ظہور عالم محض اتفاق پر مبنی ہے - اس راے پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تغیر و تبدل تو بیشک اس عالم مین ہورہا ہے لیکن وہ اتفاقیہ اور بے قاعدہ نہین ہے بلکہ جو کچھ ظہور مین آتا ہے قواعد و قانون کے مطابق ہے لہذا یہ قول کہ اتفاق موجد عالم ہے قابل تسلیم نہین -

(۵) پانچوین فریق کا بیان ہے کہ پرکرتی یعنی مادہ ہی موجد عالم ہے اور اس مین ذاتی قوت اس قسم کی موجود ہے کہ وہ بوقت ظہور ترتیب خاص سے مرتب ہوکر آفرینش عالم کا سبب ہوتا ہے دہریون کے نزدیک مادہ ہی سب کارروائی کرلیتا ہے اور پابند ضوابط ہوکر تمام عالم کو ترتیب مناسب پر چلاتا ہے - اس مسئلہ پر تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ بذات خود حلیم و فہیم نہین ہے وہ از خود پابند ضوابط کیونکر ہوسکتا ہے

اور ترتیب مطلوب کیونکر پیدا کر سکتا ہے لہذا یہ مسئلہ بھی قابل تسلیم نہین -

(۶) چھٹے فریق کا دعویٰ ہے کہ پُرش یعنی قوت مادہ کو ترتیب مناسب دیکر باعث ظہور عالم ہوئی ہے علوم مادی کے عالم بیان کرتے ہین کہ مادہ مین ایک قسمت لطیف مخفی ہے جو کہ اُسکو ترتیب مطلوب دیکر ضوابط خاص کے ذریعہ سے جن کو قوانین قدرت کہتے ہین اس عالم کو چلاتی ہے اور وہی قوت ایک وقت مقررہ کے بعد اس ترتیب کو توڑکر باعث خفاے عالم ہوتی ہے - اس مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ قوت بذات خاص علیم و فہیم نہین ہوسکتی لہذا وہ باضابطہ کارروائی بھی نہین کر سکتی - البتہ قوت ایک علیم و فہیم مالک کے زیر ہدایت باضابطہ کارروائی کر سکتی ہے لہذا پرش بھی موجد اس عالم کا نہین ہوسکتا -

(۷) بعدہٗ انھون نے بچار کیا کہ اگر یہ چند چیزین علیحدہ علیحدہ موجد اس عالم کی نہین ہین تو شاید سب ملکر ہون اسپر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ممکن نہین کیونکہ اجتماع اشیا کسی خاص غرض کے لیے اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ان کو کسی ذی فہم نے ترتیب دیا ہو اجتماع اشیاے مذکور بغرض تکمیل انسان ہے پس وہ از خود نہین ہوسکتا بلکہ کسی ذات فہیم کے منشا کی مطابق ہونا چاہیے -

(۸) پھر اُنھون نے یہ بچار کیا کہ جیو جسکی غرض سے یہ کل کارروائی ہے وہی اُس کا صانع و موجد کیون نہو - اسپر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جیو جو کم علم و کم اختیار اور رنج و راحت مین گرفتار ہے موجد عالم نہین ہوسکتا پس یہ آٹھون چیزین ایجاد عالم کی قابلیت نہین رکھتین -

جب رشیون کو معلوم ہوا کہ ایجاد عالم کی نسبت جو مسائل مروج ہین وہ قابل اطمینان نہین ہین تو انھون نے دلائل عقلی کو ناکافی سمجھ کر بذریعۂ استغراق اس مسئلہ کو حل کیا

چنانچہ سمادھی مین اُنھون سنے عالم کی کل کارروائی کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ ذات باری کی قوت ارادی کے ذریعہ سے کل عالم کا انتظام ہو رہا ہے۔ یہی ذات واحد جو کل قیود مکان وزمان سے مبرا ہے اپنی لامحدود گیان شکتی اور کریا شکتی کے ذریعے کل عالم کو پیدا کر کے اُسکو غیر متغیرہ ضوابط کا پابند بناتی اور انسان کی تکمیل کے لیے اُسکو ترتیب مناسب پر چلاتی ہے۔ تب اُن کو تسکین ہوئی اور اُنھون نے چند اشلوک بایمعنی لکھے کہ ہم نے اُس پرم دیو پرمیشر کو جو تمام عالم کا صانع اور مالک ہے اور جو پرستش کے قابل ہے جانا۔ اُسکی تجلی مثل آفتاب ہے اور وہ ہر قسم کی تاریکی اور اگیان سے مبرا ہے اسی کے علم سے انسان موت پر غالب آتا ہے اور اسی سے رہائی پا کر مکت ہوتا ہے۔ بجز اسکے اور کوئی ذریعہ نجات کا نہین ہے۔

جب یہ امر طے ہو چکا کہ ایک صانع اور منتظم اس عالم کا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکی اصل غرض آفرینش عالم سے کیا ہے۔ اس مسئلہ مین بھی بہت کچھ اختلاف ہے ایک فریق کہتا ہے کہ جب ذات باری کو تنہائی گران معلوم ہوئی تو اُسنے اپنے دل بہلانے کو یہ عالم بطور تماشا بنایا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ اُس ذات پاک کی نسبت گرانی عاید کرنا کفر ہے مگر ہان تفریحاً یہ عالم ایک باغ پر بہار کے طور پر اُسنے تیار کیا ہے جسطرح باغ مین مختلف قسم کے درخت اور پھل پھول ہوتے ہین اسیطرح جمادات نباتات حیوانات اور انسان مختلف شکل وصورت اور مختلف رنگ ڈھنگ کے بنائے گئے ہین۔ ایک وضع کی مخلوق ہوتی تو باغ عالم مین کچھ رونق نہ ہوتی۔ تیسرے فریق کا یہ قول ہے کہ عالم ایک کھیل ہے جسمین صانع عالم نے اپنے آپ کو چھپایا ہے۔ تمام انسان اور فرشتے اُسکی جستجو مین سرگردان ہین جب اُسکو کوئی پالیتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے اور اس سے

کہتا ہے کہ تم بھی چھپ جاؤ تاکہ اور سب ہم کو ڈھونڈین۔ چوتھا فریق کہتا ہے کہ خدا کچھ نہین کرتا یہ کل عالم اُسکی مایا کا کھیل ہے۔

اب غور کیجیے کہ ذات باری جو عین سرور ہے اُسکو تنہائی گران گزرنا یا تفریح کا محتاج ہونا یا اُسکا کھیلنا یا اپنی مایا کا کھیل دیکھنا کیسے لچر و پوچ خیالات ہین۔ انسان اپنی نادانی کی وجہ سے سچدآنند کے معنی پر تو غور کرتے نہین خدا ے تعالی کو بھی ایک اعلی درجہ کا انسان تصور کر کے اُسمین وہی صفات قائم کرتے ہین جو خود اُن مین پائے جاتے ہین اسی لیے بعض حکما کا قول ہے کہ خدا انسان کا بنایا ہوا ہے نہ کہ انسان خدا کا لہذا جس درجہ کا تعلیم یافتہ انسان ہوتا ہے اُسی درجہ کا اُسکا خدا ہوتا ہے وحشی انسان اُسکو مثل ایک ظالم بادشاہ کے تصور کرتے ہین۔ نیم تعلیم یافتہ اُسکو مہربان بھی سمجھتے ہین اور غضبناک بھی دوستون پر مہربان اور دشمنون پر غضبناک۔ پورے تعلیم یافتہ اُسکو عین رحم سمجھتے ہین۔

حکماے ہند جنھون نے علم معرفت مین کمال حاصل کیا پیدائش عالم کی غرض مسئلہ "ایکو ہم بھوسیام" کو بیان کرتے ہین۔ اسکے معنی یہ ہین کہ مین ایک ہون بہت ہو جاؤن۔ جب پربرہم مین سچدآنند مرکز قائم ہوتا ہے تو اُس مین یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ جیسا مین اکیلا سرور ابدی سے مسرور ہون ویسے بہت سے اور بھی ہونے چاہئین لہذا پیدائش عالم کرنی چاہیے کہ جس مین سے مثل میرے تینون صفات مین کامل مخلوق برآمد ہو پس حسب منشاے الٰہی ہر روح اس عالم مین ہمیشہ حصول سچدآنند کی کوشش کرتی ہے۔ یہ منشا سرشت عالم کا ہر معقول انسان کو قابل تسلیم ہوگا کیونکہ وہ رحم باری تعالی پر مبنی ہے۔ سرور کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے مین محدود رہنا نہین چاہتا بلکہ ہر سمت پھیلنا چاہتا ہے خودی ہمیشہ راحت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور انانیت حقیقی جو سرور دائمی ہے ہمیشہ

راحت رسانی سے خوش ہوتی ہے لہذا جسقدر انانیت حقیقی انسان مین ظہور کرتی جاتی ہے
اُسی قدر اُسمین بجاے خست کے جود وسخا کی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کاملین ہمیشہ نگران رہتے ہین کہ انسان خودی دور کرکے اُنکی توجہ
کے قابل بنجاے تاکہ اُسکو اُس سرور سے جو اُن کو حاصل ہے مستفیض کرین۔ اسی واسطے
لکھا ہے کہ مرید کو مرشد کامل کی تلاش فضول ہے بلکہ خودی کی بیخکنی کرکے اپنے مین قابلیت
پیدا کرنی چاہیے۔ جب اُسمین حصول علم باطن کی قابلیت ہوگی تو مرشد خود اُسکو تلاش
کرلیگا چنانچہ جسوقت وہ کسی کو طالب صادق پاتے ہین تو اُنکو کمال خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا
ایک اور بھائی جو مدت سے پردیس مین حیران وسرگردان تھا اب وطن کو واپس آنا چاہتا ہے

خوشا وقتی وخرم روزگارے		کہ یارے برخورد از وصل یارے

جو محبت گرو کو اپنے چیلے سے ہوتی ہے اُسکی نظیر اس عالم مین نہین ہے۔ محبت
مادری بھی اس سے کچھ نسبت نہین رکھتی۔ مرشد کو اپنے مرید کی حفاظت اور ترقی روحانی
ہردم پیش نظر رہتی ہے اور وہ اپنی زندگی کا مقصد یہی سمجھتا ہے کہ اپنے مرید کو اُس درجہ
کمال پر پہونچادے جو اُسکے حیطۂ اختیار مین ہے۔

قوانین کرم انتہا درجہ کے رحم پر مبنی ہین جب ہم اپنے گناہون کے نتائج پالیتے ہین
تو اُنکے ناقص رنگ ہمارے تجسس سے دور ہوجاتے ہین اور ہم مین روحانی ترقی کی قابلیت
پیدا ہوجاتی ہے بشرطیکہ ہم آیندہ گناہ سے مجتنب رہین۔ قوانین توبہ وکفارہ بھی رحم پر
مبنی ہین۔ پس پیدایش عالم۔ رہبری مرشد کامل۔ قوانین کرم۔ یہ تینون باری تعالیٰ کے
رحم پر مبنی ہین۔ چونکہ ہم عموماً انسان کو تکلیف مین پاتے ہین۔ کبھی کبھی نیکون کو تکلیف مین
اور بدون کو راحت مین دیکھتے ہین۔ تو نادان بچون کی طرح ہمارے دل مین بھی یہ خیال

پیدا ہوتا ہے کہ انصاف و رحم محض الفاظ ہین بے معنی۔ مگر جب انسان کی خودی دور ہوتی ہے اور اُسکی چشم بصیرت کھلتی ہے تو اُسوقت ترحم ربانی نظر آتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ قوانین قدرت سراسر عدل و رحم ہین۔

بعض صحاب کا یہ اعتراض ہے کہ عدل و رحم دو صفات متضاد ہین جو ایک ہی وقت ذات واحد مین جمع نہین ہوسکتین۔ مگر اُنکے ذہن نے اس وجہ سے مغالطہ کھایا ہے کہ اُنھون نے عدل و رحم کے معنی پر غور کامل نہین کیا۔ عدل کے معنی ہین برابری کے اور اس سے یہ مراد ہے کہ فعل مین اور اُسکے نتیجہ مین برابری اور مناسبت ہو۔ یہ نہو کہ اچھے کام کا نتیجہ برا اور بُرے کا اچھا ہوجاے یا کام اور نتیجہ کی مقدار مین مناسبت قائم نرہے رحم کے معنی ہین مہربانی اور اُس سے مراد یہ ہے کہ صاحب راحت و سرور کی یہ خواہش ہو کہ جو کوئی راحت و سرور مین ناقص ہے وہ بھی اُسکی حالت مین شریک ہوجاے لیکن ظہور اس صفت کا بصورت عدل ہوتا ہے یعنی جسقدر استعداد راحت کسی کو حاصل ہے وہ بقدر اپنی استعداد کے شریک راحت کیا جاتا ہے اسی کا نام افعال نیک کی جزا ہے اور جسقدر کوئی شخص راحت سے دور ہے اُسیقدر اُسمین استعداد راحت پیدا کی جاتی ہے اسی کا نام افعال بد کی سزا ہے اور سزا اسکو تکلیف مین ڈالتی ہے اور تکلیف کی وجہ سے وہ بدی سے متنفر اور نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے یہانتک کہ رفتہ رفتہ راحت کی استعداد حاصل کرکے صاحب رحم کی حالت راحت و سرور مین شریک ہوجاتا ہے۔ انسانی قوانین عدل اگرچہ کامل و بے عیب نہین ہوتے مگر اُنکی بنیاد بھی صفت رحم پر رکھی جاتی ہے۔ اُنمین بھی انسان کی ترقی و بہبود ہمیشہ مدنظر رہتی ہے اور سزاے مجوزہ بھی اُنکی اصلاح پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ دل آزاری پر۔ پس درحقیقت رحم و عدل ایک دوسرے کی ضد نہین ہین۔

بلکہ رحم جوراحت رسانی کی خواہش ہے اُسکا ظہور عدل کی صورت مین ہوتا ہے اور عدل کے دونون نتیجے خواہ سزا ہو خواہ جزا گو ظاہرا مختلف ہین مگر مقصود دونون کا ایک ہے چنانچہ آخرکار یہ دونون تلخ وشیرین دھارین بہتے بہتے رحم کے پاک سمندر مین غرق ہو جاتی ہین۔ غرض کہ حق تعالی اپنی مخلوق کے لیئے سراسر ترحم ہے۔ ترحم ہی سے پیدایش عالم ہوتی ہے ترحم ہی کے ذریعہ سے ہم روحانی ترقی کرتے ہین۔ ترحم ہی ہمارا منزل مقصود ہے۔ پس خدا کے عین رحم ہونے مین کلام نہین۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ قادر مطلق بھی ہے یا نہین۔ لیکن پہلے قادر مطلق کے معنی کا فیصلہ کرنا چاہیے کیونکہ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ دو فریق الفاظ زیر بحث کے معنی مختلف لیتے ہین اسلیئے مدت تک تکرار لفظی مین الجھے رہتے ہین۔ لفظ قادر مطلق سے اکثر اشخاص یہ سمجھتے ہین کہ جو ہر شے کے کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ یہ معنی ٹھیک نہین ہین کیونکہ محالات پر خدا قادر نہین ہو سکتا مثلاً دو اور دو چار ہوتے ہین خدا پانچ نہین کر سکتا۔ چونکہ وہ عین رحم ہے اسلیے بیرحمی نہین کر سکتا کیونکہ اجتماع ضدین محال ہے اس سے کمال قدرت ایزدی مین کچھ فرق نہین آتا پس لفظ قادر مطلق کے یہ معنی نہین ہو سکتے کہ جو ہر شے کے کرنے کی قدرت رکھتا ہو بلکہ یہ معنی ہین کہ جو شے کرنے کے قابل ہو اُسکے کرنے کی قدرت کامل رکھتا ہو اور محتاج دوسرے کی مدد کا نہو۔ اب دیکھنا چاہیے کہ وہ اس معنی مین قادر مطلق ہے یا نہین۔ انتظام عالم اور اُسکے قوانین استمراری کے دیکھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور قادر مطلق ہے مگر جب اُسکا منشا سرشت عالم سے یہ قرار دیا گیا کہ اُنھین سے مخلوق قادر مطلق اور رحم مجسم مثل اُس ذات پاک کے برآمد ہو کر سرور ابدی سے مستفیض ہو اور چونکہ ہم یہ صفات انسان مین نہین پاتے تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کو پورا کرنیکی قدرت نہین رکھتا لہذا قادر مطلق نہین۔ غور کیجیے۔

(۱) جبر و قدر ضدین ہین لہذا ایک ہی وقت ایک جگہ مین جمع نہین ہوسکتے - جبر مین
کبھی قدرت پیدا نہین ہوسکتی - قدرت ہمیشہ آزادی مین پیدا ہوتی ہے - اس واسطے
انسان کو آزادی عطا کی گئی کہ چاہے نیکی کرے چاہے بدی اور قوانین کرم کے بموجب
ہر دو افعال کے نتائج کا تجربہ کرکے بذریعہ علم ذاتی بدی سے ہمیشہ پرہیز کرے اور نیکی پر
قادر ہو - اگر وہ مثل ایک کھلونے کے نیکی کرنے پر مجبور کیا جاتا تو وہ نیکی پر ہرگز قادر نہوتا
نیکی پر قادر ہونے کے یہ معنی ہین کہ نیکی و بدی کے نتائج کو بخوبی سمجھکر بدی کرنے سے
باختیار خود بچے پس قدرت بلا تکلیف برداشت کئے پیدا نہین ہوسکتی -

(۲) کل صفات الٰہی روح مین پوشیدہ ہین جن کا نشو و نما قانون باطنی سے ہوتا ہے
نہ کہ خارجی قانون سے جمادات نباتات حیوانات جس خارجی قانون کے پابند ہین اسکی
پابندی انسان کے لیئے ہرگز نہین - انسان کی ترقی خود اسکے ہاتھ مین ہے اور یہ ترقی
جبراً نہین بلکہ تجربہ کی محتاج ہے - البتہ حیوانات مین یہ تعلیم جبریہ ہے کیونکہ جانور اکثر بلا تکلیف
و تجربہ محض بذریعہ عقل حیوانی محفوظ رہتے ہین - انسان بوجہ قوت ادراک جو جانورون مین
نہین ہے بذریعۂ ذاتی تجربات کے اس اعلیٰ مرتبہ کو پہونچتا ہے جسکا حصول بذریعۂ جبر ممکن
نہین - تجربات بلا تکلیف نہین ہوسکتے - پس روحانی ترقی کے لئے تکلیف کا سبق ضروری ہے

(۳) قدرت ہمیشہ علم سے پیدا ہوتی ہے - "العلم قدرۃ" مسئلہ مسلمہ ہے - چونکہ روح مین
علم مثل دیگر صفات باری محجوب ہے اور جب تک کہ روح مین تعین پیدا نہین ہوتا اسوقت
تک علم کا ظہور نہین ہوتا اسلیئے روح کو اجسام سے وابستہ کیا جاتا ہے تاکہ بذریعہ تجربات ذاتی
کے ہفت طبقات عالم کا علم حاصل کرکے روح قادر مطلق بنجاے -

(۴) رحم کی صفت بھی تکلیف سے پیدا ہوتی ہے جس کے پاؤن نجاے بوائی

وہ کیا جانے پیر پرائی ؎

جو ہو آشنا درد سے دل وہی ہے	کسی کی محبت کے قابل وہی ہے

جب تک ہمکو خود تکلیف نہین ہوتی اسوقت تک ہم دوسرون کی تکلیف کو بخوبی سمجھ نہین سکتے اور نہ اُنسے پوری پوری ہمدردی کر سکتے ہین -

ہماری تعمیر خارجًا نہین ہوتی بلکہ باطنًا ہوتی ہے اور جو تکلیفین بوجہ نقائص ہمکو پہونچتی ہین وہ گویا اینٹ پتھر ہین جن سے آخرکار روح کامل کا محل بنایا جائیگا اور وہ محل تکلیف زدہ بھائیون کی یاد دلاکر ہمدردی کی تحریک پیدا کریگا اور دوسرون کی امداد کے لیئے پیام رحمت ہوگا - اگرچہ انجام مین تکلیف کا وجود باقی نرہیگا لیکن تعمیر مین تکلیف اُٹھانا ضروری ہے - لہذا انسان کو فی الحال تکلیف مین دیکھکر یہ نتیجہ نہین نکالنا چاہیے کہ خدا اپنی مخلوق کو راحت پہونچانے پر قادر نہین بلکہ یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ وہ اُسکو ضروری تکلیف کے ذریعہ سے سرور دائمی کے لیئے تیار کرتا ہے -

انسان اپنی غلط فہمی سے تکلیف کو مصیبت خیال کرتا ہے اگر غور کرے تو سمجھے کہ یہی رفیق صادق معلم کامل ہے اور اُسکے امراض کا طبیب حاذق - یہ تکلیف ہی کا تصدق ہے کہ انسان اس عالم فانی سے دل برداشتہ ہوکر عالم باقی کی طرف رجوع کرتا ہے اگرچہ اکثر افراد انسان ایسے ہین کہ باوجود تکلیفات کے اس عالم بے ثبات مین ہی ابھی بستر جمائے بیٹھے ہین ؎

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی	ہزارون اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

خوب ہی ہوا جو یہان پوری آسایش اور جی بھر کے آرام میسر نہین ہوتا اور نہ کوئی بھلامانس یہان سے جنبش نکرتا اور منشاے ظہور عالم بالکل فوت ہو جاتا - پس ہماری اصلی بہبود کا باعث

تکلیف ہے تکلیف ہی کی بدولت علوم وفنون ایجاد ہوے نہرین سڑکین ریل تار یہ سب اُسی کے جلسے ہین - چنانچہ مثل ہے کہ ضرورت اُم الایجاد ہے - اسی طرح علم باطن کا سراغ جسکے توسل سے انسان سرور دائمی حاصل کرتا ہے اس تکلیف ہی کی رہبری سے لگا ہے بلا امداد اس رفیق طریق کے انسان کچھ حاصل نہین کر سکتا - چونکہ تکلیف ہی انسان کو قادر مطلق اور رحم مجسم بنا کر راحت دوام کو پہونچاتی ہے لہذا اُسکو پیام رحمت سمجھنا چاہیے - وہ افسوس ونفرت کے قابل نہین بلکہ خیر مقدم کے لائق ہے - یون سمجھو کہ خدا تعالے نے برین خیال کہ جور استاد بہ زمہر پدر - اپنے پیارے بچون کو ابتدائی تعلیم و تربیت کے لئے معلمہ تکلیف کے سپرد کر دیا ہے - اب اس مہربان اُستانی کی تعلیم پر ذرا تفصیل کے ساتھ غور وتامل کیجیے کہ وہ کیا کیا سکھاتی پڑھاتی ہے -

(۱) روح بطور بچہ کے جب اس اجنبی عالم مین وارد ہوتی ہے تو پہلے پہل اشیا کا احساس شروع ہوتا ہے منجملہ محسوسات کے بعض کو راحت رسان اور بعض کو تکلیف دہ پاتی ہے پس احساس راحت کیطرف رغبت اور احساس رنج سے نفرت پیدا ہوتی ہے لہذا آزار دہ چیزون کو چھوڑ کر راحت بخش چیزون مین مستغرق ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ آخر کار رنج ہوتا ہے - اپنشد مین ایک جگہ لکھا ہے کہ جسم ایک گاڑی ہے روح اُسکا سوار ہے حواس گھوڑون کی طرح اُسمین جوتے ہین - من گاڑیبان ہے - یہ گھوڑے روح کو محسوسات کی طرف کھینچے لئے جاتے ہین اگر گاڑیبان کو گھوڑون کی روک تھام پر قابو نہین تو یہ منہ زور گھوڑے سوار کو محسوسات کے خارزار مین جا ڈالتے ہین اور وہ ہمیشہ رنج وبلا مین مبتلا رہتا ہے - جبکہ بار بار یہ تجربہ ہوتا ہے کہ بلا تمیز نیک وبد محسوسات مین مستغرق ہو جانیکا نتیجہ سوا رنج وکلفت کے اور کچھ نہین ہے تو روح کو یہ علم ہوتا ہے کہ اس عالم مادی مین

جسم کے متعلق کچھ ایسے قوانین بھی ہین جنکی پابندی لازم ہے اور جن کے خلاف کاروائی کرنے سے رنج پہونچتا ہے لہذا وہ قانون کے وجود سے آگاہ ہوکر حصول راحت اور دفع مضرت کے لئے تعمیل قانون پر آمادہ ہوجاتی ہے پس تجربات رنج سے اس کو قانون خارجی کا علم اور خودداری کا سبق حاصل ہوتا ہے اور یہ تکلیف کا پہلا سبق ہے۔

(۲) بھگوت گیتا مین لکھا ہے کہ خواہش ام التکالیف ہے جب تک انسان کو دنیوی اشیا کی خواہش لگی رہتی ہے اُسوقت تک اُسکو یہان آنا ضرور ہے۔ خواہش ہی دور تناسخ کا سبب ہے کیونکہ جو انسان خواہشات نفسانی کی رسیون مین بندھا ہے وہ دوسری جگہہ جا نہین سکتا اور خواہشات کا سلسلہ کبھی ختم نہین ہوتا بلکہ ایک خواہش کے پورے ہوتے ہی دوسری شروع ہوجاتی ہے اور دوسری کے بعد تیسری غرض یہ سلسلہ غیر منقطع چلا ہی جاتا ہے اور راحت عارضی کے سوا اصلی راحت کبھی حاصل نہین ہوتی۔ جیسے آگ پر گھی ڈالنے سے آگ بجھتی نہین بلکہ اور بھڑک اٹھتی ہے۔ یہی کیفیت خواہش کی ہے کہ جسقدر پوری ہو اُسی قدر اُسمین ترقی ہوتی ہے۔ خواہش روح کو بجائے باطن کے ظاہر کیطرف مائل کرتی ہے اور اُسکو اس اعلی حالت سے باز رکھتی ہے جو اُسکے باطن مین ہے۔ تا جب خواہش سے نجات نہین ہوتی تکلیف سے بھی انسان نہین بچ سکتا لہذا اول خواہش کی جڑ کاٹنا ضروری ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواہش کیونکر دور ہو۔ مرض مصیبت افلاس رنج وغیرہ سے ہمکو علم ہوتا ہے کہ ہر شے عالم مادی مین متغیر اور فانی ہے پس اس طوفان تغیرات مین وہ جو غیر متغیر ہے سکون نہین پاسکتا کیونکہ از روے بطون ہم دائمی ہین نہ کہ عارضی۔ پس وہ شے جو کہ ہمیشہ تبدیل وفنا ہوتی رہتی ہے اور جسپر موت کا تصرف ہے وہ روح کے لیے اطمینان بخش اور راحت وسکون دائمی کی دینے والی نہین ہوسکتی

پس رنج کا تجربہ روح کو عالم ظاہری سے دل برداشتہ کرکے آخرکار اس عالم کیجانب جہان راحت وسکون دائمی کا سرچشمہ ہے متوجہ کردیتا ہے۔ لہذا انسان محسوسات بیرونی کو چھوڑ چھاڑ کے اندرونی مکاشفات کیطرف مائل ہوجاتا ہے یعنی تلاش راحت جو ابتک اشیاء خارجی پر محدود تھی وہ حقائق باطنی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ جسم کو چھوڑکر دماغ کیطرف متوجہ ہوتی ہے کیونکہ راحت دماغی بمقابلہ راحت جسمانی زیادہ پایدار ولطیف ہے۔ جب بہیمی خصلت مطیع ہوجاتی ہے اور ذہن وادراک مین مزہ ملنے لگتا ہے تو انسان ایک اور ہی مخلوق ہوجاتا ہے۔ مذاق ذہنی بمقابلہ لذات حسی زیادہ دلکش معلوم ہوتا ہے اس حالت مین فلسفہ مذہب علوم وفنون ترقی پاتے ہین۔ وہ لوگ انسانی ترقی کے معاون ہین جو جسم کو چھوڑکر دماغ کی طرف توجہ کرتے ہین اور زیادہ پائدار لذات کے جویا ہین۔ حالانکہ جسکو اب مستقل وپائدار سمجھے ہین آیندہ وہ بھی عارضی ثابت ہوگا تاہم غنیمت ہے کہ جسم سے دماغ کیطرف عروج کیا جاے یعنی محسوسات سے تصورات کیطرف حواس ظاہری سے حواس باطنی کی طرف۔ جب انسان خارجی اشیا سے مدرکات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو آپس کا بغض وحسد عناد وفساد کم ہوجاتا ہے کیونکہ مقاصد خواہش طبقہ مادی کے محدود ہین اور اُن مین ہر شخص شرکت چاہتا ہے لہذا نزاع وخصومت پیدا ہوتی ہے اور مذاق ذہنی بمقابلہ انکے غیر محدود ہین اسلیے وہ موجب رشک نہین ہوتے۔ اگر ایک کا مذاق اعلی ہے تو دوسرے کے لئے یہ امر وجہ افلاس نہین۔ اگر ایک کا حصہ زیادہ ہے تو یہ زیادتی دوسرے کا حصہ کم نہین کردیتی۔ پس ذہنی ترقی پاکر انسان بجاے حریف ہونے کے ایک دوسرے کے معاون ہوتے اور اخوت والفت کا سبق سیکھتے ہین کیونکہ اب حیات اعلی کی طرف بازگشت شروع ہوئی ہے۔ اور اُس جہان مین بخشش ہی

بخشش ہے یہ خواہش نہین کہ ہمکو تنہا ملے - وہان خست اور شکایت کا موقع ہی نہین کیونکہ ہر شخص دوسرے کے شریک حال ہوکر بخشش کرنے سے محتاج نہین بن جاتا لیکن روح کو یہان بھی اطمینان نہین کیونکہ خواہش موجود ہے - محسوسات کی نہ سہی تصورات کی خواہش تو باقی ہے اور جب تک یہ خواہش کا کانٹا کھٹکتا ہے خوشی معلوم - کیونکہ خواہش کا تو خاصہ ٹھہرا کہ کبھی ختم نہین ہوتی - پس خوشی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ عارضی سے دائمی کی طرف رجوع کرتا ہے - اگر تمھارا طریقہ خواہشات کا پورا کرنا ہے تو گو کیسا ہی مہذب کیون نہو تم ایسی راہ جارہے ہو جسکی کہین انتہا نہین - اس راہ مین تم ہمیشہ غیر آسودہ رہوگے اور وہ راحت کبھی نصیب نہوگی جو طبعًا روح انسانی کی منزل مقصود ہے - غرض کچھ عرصہ کے بعد عدم آسائش یعنی تکلیف سے روح کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ راہ بھی راحت دائمی کو نہین پہونچاتی لہذا اسکا ترک بھی لازم آتا ہے پس لذات حسی اور مذاق ذہنی دونون کا ترک تکلیف کا دوسرا سبق ہے -

(۳) اب انسان غور کرتا ہے کہ تلاش راحت مین خواہش کے ساتھ ساتھ باہر پھرا ناکام رہا - دماغ کی طرف رجوع کی محروم رہا (دماغ بھی بمقابلہ روح خارجیات سے ہے) ہر جگہ راحت کے بدلے تکلیف ہی پائی ہ

قدم نامبارک و مسعود		چون بدریا ودبر آرد دود	

غرض کہ عدم آسودگی سے تنگ آکر اب خارج سے پھر باطن کی طرف دوڑتا ہے اور دماغ کو چھوڑکر اندرون دماغ کی طرف تلاش کرتا ہے - البتہ یہان آغاز سکون نظر آتا ہے اور راحت اصلی کی جھلک دکھائی دیتی ہے مگر یہان بھی تکلیف کے احاطہ سے باہر نہین ہوا کیونکہ ہنوز مرکز راحت نہین ملا گو اسکو یہ علم ہوگیا کہ مین جسم نہین دماغ نہین لیکن تاہم ایک اندرونی کلفت محسوس ہوتی ہے اور خلاف طبع کارروائی ناگوار گذرتی ہے -

گو ظاہر مین نہین مگر باطن مین کوئی خلش باقی ہے اور وہ ایک لطیف خواہش ہے جو شانتی
مین خلل ڈالتی ہے اب جو غور کرتا ہے کہ یہ تکلیف کہان سے آئی تو سمجھ مین آتا ہے کہ ہنوز
خودی باقی ہے۔ ابھی نفس کامل نہین ہوا۔ اگر کامل ہو گیا ہوتا تو کسی شے کی مجال نہ تھی
کہ اُسکو تکلیف پہونچا سکے۔ یہ جو تکلیف کا احساس باقی ہے یہی خامی نفس کی علامت ہے
چونکہ نفس طینت ادنے سے آزاد ہو کر پورے طور پر مشغول باطن نہین ہوا ہے لہذا اس
تکلیف کی رہنمائی سے اور رہبر کامل کی دستگیری سے پھر باطن در باطن کی طرف رجوع
کرتا ہے اور جب تک تکلیف کی پھانس چبھی رہتی ہے وہ اپنی جد وجہد مین کوئی دقیقہ
اُٹھا نہین رکھتا اور اُسوقت اطمینان پاتا ہے جبکہ تکلیف کا احساس قطعاً بند ہوتا ہے
اور یہ اُسوقت ہوتا ہے جبکہ خودی قطعاً نیست و نابود ہو جاتی ہے اور کوئی خواہش ہی
باقی نہین رہتی کہ باعث تکلیف ہو یہ خودی کی بیخکنی تکلیف کا تیسرا سبق ہے۔

(۴) اب اس اعلی مرتبت روح کو معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کی غایت محض انسانی
تکمیل نہین بلکہ تکمیل دور موجودہ ہے اور تکمیل انسانی کسی اور تکمیل کا دیباچہ ہے۔ چنانچہ
جو لوگ زمانہ موجودہ مین صاحب کمال ہوتے ہین وہ نروان کے سکون کو چھوڑ کر دور
ظہور مین بخوشی پھر آتے ہین نہ اس غرض سے کہ تعلیم حاصل کرین بلکہ اس غرض سے کہ اپنے
تکلیف زدہ بھائیون کی مدد کرین اور تجربات حاصل شدہ سے اُنکے ہادی بنین۔ نہ صرف
اس دور ظہور مین بلکہ ظہور آیندہ مین بھی معمار اور فرشتے بنکر نوع انسان کے ہادی و معلم ہون
- یہ کام جیون مکتون کا ہے۔ سالک طریقت ہمیشہ تکلیف کو برضا و رغبت پسند کرتا ہے
تاکہ اسکے ذریعہ سے ہمدردی کا سبق حاصل ہو۔ بغیر ہمدردی کے بہت قوی نفس بھی
ناکارہ ہے کیونکہ منشاے سرشت عالم سے تخالف کرتا ہے۔ طالب کو خارجی دنیا کی

تکلیفات کا حس جسقدر ہوتا ہے اُسی قدر اُسکے دل مین ان تکالیف کے دفعیہ کا جوش پیدا ہوتا ہے نفس وہ مجاہد ہے کہ جو کسی وقت کائنات کا مرکز بنیگا اور ہر دو ظہور مین یہی جوش ہمدردی پیدا ہوکر اورون کی امداد کا پیام رحمت ہوگا۔ پس تعلیم ہمدردی تکلیف کا چوتھا اور آخری سبق ہے۔

وہ لوگ غلطی پر ہین جنکا خیال ہے کہ تکلیف ہی ہر شے کا انجام ہے۔ کیونکہ روح عین شادمانی ہے نہ کہ رنج بہجت محض ہے نہ کہ تکلیف۔ اور طریقت محض طریقت ہے نہ کہ منزل مقصود۔ طریقت غم محض وسیلہ ہے نہ کہ غایت کیونکہ وہ بحر شادمانی جہان سے کائنات کی ابتدا ہوئی ہے راحت دائمی کا مبدا ہے اور عالم ظہور مین بھی روح کا ورثہ ہے تکلیف کا تصرف محض غلاف مین ہے جو کہ روح کا ملبوس ہے جوہر اصلی اس سے پاک و منزہ ہے لہذا تکلیف تمھاری نظر کو شادمانی کی طرف سے نہ روکے اور مکروہات فانی تم کو خیال شادمانی سے محروم نکرین۔ کائنات کا لفظ خاتمہ شادی ہے اور انسانیت کا حاصل سرور و آزادی

انسان کی تعلیم صرف تکلیف ہی سے مکمل نہین ہوتی البتہ جب تک وہ بچپن کیحالت مین ہے اُسوقت تک اُس سخت مزاج معلم کے تشدد سے ہی کچھ سیکھتا ہے۔ مگر جب کچھ شعور آجاتا ہے تو پھر نرم مزاج بچارہ نامی اتالیق سے بھی سبق لیتا ہے۔ یہ صاحب بہت ملائم طریقے سے تعلیم دیتے ہین۔ اِن کا طرز تعلیم اس طور پر ہے۔ اے عزیز تم راحت دوام کے متلاشی ہو کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ رنج و کلفت تم کو ہمیشہ ناگوار خاطر ہوتے ہین مگر افسوس ہے کہ تم راحت کا فلسفہ نہ سمجھے ہی نہین اس لئے تلاش راحت مین قدم قدم پر ٹھوکرین کھاتے ہو اور انجام کار بجائے راحت کے تم کو رنج ہی نصیب ہوتا ہے۔ اب مین تمکو علم راحت کی تعلیم کرتا ہون اور راحت کا فلسفہ سمجھاتا ہون۔ بغور سنو اور اسپر عمل کرو تو راحت دوام تمکو ضرور حاصل ہوگی۔

(۱) سبق۔ ست اور اَست کا بیبک یعنی باقی و فانی کی تمیز۔

عزیز من! اگر تم اپنی فطرت کو نظر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دو مختلف قوتین تمکو اطراف
مقابل مین کھینچتی ہین۔ طینت اعلی ہمیشہ اُس مقام مقدس کی جانب جذب کرتی ہے جو قیود مکان
و زمان سے مبرا ہے۔ اسی لیئے تمکو مرنا کبھی پسند نہین آتا۔ علم محدود سے تمہاری سیری نہین
ہوتی رنج ہمیشہ ناگوار ہوتا ہے اور تم حیات ابدی علم کل اور سرور دائمی کے ہمیشہ متلاشی
رہتے ہو۔ طینت ادنی تمکو لذائذ جسی کی طرف مائل کرتی ہے اور باوجود تکالیف گوناگون ہمیشہ
فانیات ہی کی طرف راغب رکھتی ہے۔ طینت اعلی تمکو بیبک و یراگ و یاشانتی وغیرہ کی
طرف رہ نمائی کرتی ہے اور طینت ادنی کام۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ وغیرہ کی طرف لیجاتی ہے
طینت اعلی تمکو دھرم اور نیکی کیجانب بلاتی ہے۔ طینت ادنی تمکو ادھرم اور بدی کے لیئے اکساتی
ہے۔ طینت اعلی ہمیشہ بخشش سے خوش ہوتی ہے طینت ادنی ہمیشہ حظ ذاتی کی خواہش مند
رہتی ہے۔ طینت اعلی تم کو محبت و ہمدردی کی طرف مائل کرتی ہے۔ طینت ادنی تمکو
بغض و حسد کی طرف کھینچتی ہے وغیرہ وغیرہ سنو جب تم بچے تھے طینت اعلی طینت ادنی کی
مطیع تھی اور تم لذائذ نفسانی مین مشغول رہتے تھے مگر جب سے آثار بلوغ نمودار ہوئے اُسوقت
سے طینت اعلی بھی زور آزمائی کرتی ہے اور دونون قوتون مین جنگ و جدل برپا رہتی
ہے کبھی یہ اُسکو پچھاڑ لیتی ہے کبھی وہ اِسکو دے پٹکتی ہے۔ اسی جنگ کو پرانو نمین دیواسر سنگرام
کہا ہے۔ اہل تصوف نے اسکا نام جہاد اکبر رکھا ہے۔ وجہ اس جنگ و جدال کی یہ ہے کہ تم مین
ایک جزو تو فانی ہے اور دوسرا باقی۔ جزو باقی تو ہمیشہ بقا کی طرف مائل کرتا ہے اور جزو فانی
ہمیشہ اشیاے فانی کی طرف جھکاتا ہے ؎

کبوتر با کبوتر باز با باز	کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

پس باقی اور فانی دونون قوتون کو بخوبی زیر نظر رکھنا اور فریقین کی جنگ کو بغور ملاحظہ

کرنا بھی ست اور اَست کا ببیک کہلاتا ہے۔

(۲) سبق ویراگ یعنی ترک۔ اگر پہلا سبق خوب ذہن نشین ہو گیا ہے تو تم کو معلوم ہو گا کہ انسان اپنے جزو باقی ہی کے ذریعہ سے منزل مقصود کو پہونچ سکتا ہے نہ کہ بذریعہ جزو فانی کے۔ پس دیواسر سنگرام مین اگر خصلت ملکوتی نے فتح پائی تو تمھارا نام فہرست امیدواران راحت دوام مین درج ہو جائیگا اور تم کسی نہ کسی وقت اپنی مراد کو پہونچو گے۔ اور اگر خصلت بہیمی نے فتح پائی تو پھر چوراسی اور مصیبت کے پھندے مین پھنسو گے۔ دیکھئے پھر کب یہ موقع ہاتھ آتا ہے کتنی مدت بعد یہ جنگ پھر نصیب ہوتی ہے۔ بھگوت گیتا مین ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہین "بہت خوش قسمت ہین وہ چھتری جنکو یہ جنگ نصیب ہوتی ہے" اسلیئے اس جنگ مین تمھاری پوری کوشش و امداد دھرم کی جانب ہونی چاہیئے تاکہ ملکوتی خصلت فتحیاب ہو اور بہیمی خصلت قطعی اسکی مطیع ہو جاوے۔ جب طینت ادنی مطیع ہو جاتی ہے تو انسان فرشتون سے بھی فائق ہو جاتا ہے کیونکہ فرشتون مین بہیمی خصلت نہین ہے۔ اور جب طینت اعلی مغلوب ہو جاتی ہے تو انسان بہائم سے بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ بہائم مین ملکوتی خصلت نہین ہے ؏

از ملائک حصہ داری وز بہائم نیز ہم		بگذر از حد بہائم کز ملائک بگذری

طینت ادنی کے مطیع ہونے پر درڑھ براگ پیدا ہوتا ہے ویراگ کی چار قسمین ہین۔

اول اسمشان ویراگ وہ ویراگ ہے جو کسی شخص کے دفن کرنے یا جلانے کے وقت ہمراہیون کے دل مین پیدا ہوتا ہے۔ اُس گھڑی تو اُنکو دنیا و مافیہا ہیچ معلوم ہوتی ہے اور ذات خدا کے سوا کسی کی بقا نظر نہین آتی۔ تھوڑی دیر کو دنیا کی محبت دل سے دور ہو جاتی ہے ادھر مردے کو داب کر یا جلا کر واپس آئے اور اپنے دنیوی شغلون مین مصروف ہوئے۔ پھر وہی حسی لذات ہین اور وہ ہین۔ یہ ادنی قسم کا ویراگ ہے۔ اسمشان کہتے ہین مردہ جلانے کی جگہ کو

ویراگ

اور یہ ویراگ بس اسی جگہ تک رہتا ہے وہان سے واپس آئے اور بھول بھال گئے۔
دوئم لکھوٹا ویراگ وہ ویراگ ہے جو کسی مصیبت کے پیش آنے پر پیدا ہوتا ہے۔
اسکو لکھوٹا گیان بھی کہتے ہین۔ جب تک مصیبت کا سامنا رہتا ہے۔ یہ ویراگ بھی
رہتا ہے۔ جب مصیبت دور ہو جاتی ہے یہ گیان اور ویراگ بھی جاتا رہتا ہے اور انسان پھر
انھین لذائذ نفسانی اور کاروبار دنیوی مین مشغول ہو جاتا ہے اور جیسا مصیبت پڑنے سے پہلے
غافل و بیخبر تھا ویسا ہی پھر ہو جاتا ہے۔ یہ لکھوٹا ویراگ اسواسطے کہلاتا ہے کہ جیسے آنچ
سے لاکھ پگھل جاتی اور اُس سے دور ہوتے ہی پھر سخت ہو جاتی ہے یہی کیفیت مصیبت کے
واقع ہونے اور اُسکے ٹل جانے پر انسان کی ہوتی ہے۔
سوئم مند ویراگ وہ ویراگ ہے کہ جسمین دنیا کے ساتھ راگ اور ویراگ دونون پائے
جاتے ہین۔ کبھی تو یہ خیال غالب ہوتا ہے کہ بے شک دنیا ہیچ و پوچ ناپائدار و فانی
ہے اسمین دل لگانا عبث ہے اسکو ترک کرنا چاہیے یہ سوچکر دل کو اُسکی طرف سے روکتا ہے۔
دوسرے وقت خواہشات کا ایسا زبردست ریلا آتا ہے کہ اسکے جوش خروش مین وہ ویراگ بہا
چلا جاتا ہے۔ بار بار انسان کوشش کرتا ہے اور کبھی وہ دنیا پر اور کبھی دنیا اُسپر غالب آتی
ہے۔ یہ حالت کشمکش عین دیواسر سنگرام کا وقت ہوتا ہے۔ آخر کار دنیا غالب رہی تو انسان
گیا گذرا ہوا اور جو دنیا کو مغلوب کر لیا تو میدان اسکے ہاتھ رہا۔ یہ نہایت نازک وقت ہوتا ہے
طالب کو چاہیے کہ بہت سمجھ بوجھ کے اس راہ مین قدم رکھے اور نفس سرکش پر پورا پورا قابو
حاصل کرے راہ عرفان تیز تلوار کی دھار پر چلنا ہے اسمین خوب ثابت قدم رہنا چاہیے
ذرا سی لغزش مدت کا کیا کرایا کام بگاڑ دیتی ہے۔
روایت ہے کہ ایک عابد کسی ندی کے کنارے مشغول عبادت تھا وہین

ایک دھوبی آیا اور کپڑے دھونے لگا جنکی چھینٹین عابد پر پڑتی تھین مگر اُسنے کچھ دیر تک
اپنے نفس کو روکا اور غصہ کو ضبط کیا - مہاراج سری کرشن جی اُسوقت مہارانی رکمنی جی
کے [illegible] دوار کا مین چوسر کھیل رہے تھے اُنکو دھوبی کی یہ حرکت ناگوار معلوم ہوئی دو پاسے
لے ہاتھ سے چھوٹے تیسرا ہاتھ کا ہاتھ ہی مین رہگیا کیونکہ اُسوقت خیال دوسری
طرف کا تھا اور [illegible] ہنتے تھے [illegible] دھوبی کو سزا دین اتنے مین عابد کو غصہ آہی گیا لگا دھوبی
سے لڑنے اور تو تو مین مین کرنے - پھر تو مہاراج ہنس پڑے - رکمنی جی نے بہت پوچھا
تو فرمایا کہ کوئی خاص بات نہ تھی دو دھوبی آپس مین لڑتے تھے میرا خیال اُن کی طرف
بٹ گیا تھا - یہ کہکر بدستور کھیل مین مصروف ہو گئے -

چہارم درڈھ ویراگ وہ ویراگ ہے کہ جسمین دنیا کا پورا ترک ہو جاتا ہے - پھر تو
دل مین الفت دنیا کی بو بھی باقی نہین رہتی - یہ ویراگ ہمیشہ ایک سا بنا رہتا ہے اور
یہ دل کی وہ حالت ہے کہ جب خصلت ملکوتی فتح کامل پالیتی ہے اور بہیمی خصلت ہمیشہ
ہمیشہ کو مطیع و مغلوب ہو جاتی ہے - درڈھ ویراگ ہی اصلی ویراگ ہے باقی تین قسمین جو بیان
کی گئین وہ اُسکی ناقص صورتین ہین اسواسطے کہ اُن مین کمی بیشی کو دخل ہے -

نقل ہے کہ ایک شخص کبیر داس جی کی تلاش مین اُنکے گھر پہونچا - دریافت کیا
تو معلوم ہوا کہ کسی کی نعش کے ہمراہ گئے ہین - اُسنے پوچھا کہ وہان تو بہت سے آدمی ہونگے
اُنکو کیونکر پہچانون تو کبیر کے لڑکے نے جوابدیا کہ آپکو کل ہمراہیان کے سر کے گرد ایک
حلقۂ نور معلوم ہوگا جو واپسی کے وقت کم ہونا شروع ہو جائیگا یہانتک کہ گھر پہونچتے پہونچتے
اُسکا کچھ اثر باقی نرہیگا مگر کبیر داس جی کا حلقۂ نور برابر ایک سا رہیگا پس یہی اُن کی پہچان
ہے - چنانچہ وہ شخص گیا اور جو کیفیت سنی تھی وہی دیکھی کبیر داس جی کو پہچان لیا اور

اُنکے ساتھ ساتھ اُنکے مکان پر آیا۔ پہلا سوال اُس شخص نے اس حلقہ نور ہی کی نسبت کیا
کبیر نے جواب دیا کہ اسوقت سب لوگون پر سمشان ویراگ کی حالت طاری تھی جو وایسی ہے وقت
کم ہونے لگی اس لئے اُنکا حلقہ نور بھی جو ویراگ سے پیدا ہوا تھا جاتا رہا مجکو ویراگ ... اور انسان
حاصل ہے اسواسطے میرا حلقہ نور قائم و دائم ہے۔

(۳) سبق کھٹ سمپتی یعنی چھ صفات جو ویراگ سے پیدا ہوتے ہین۔
اول شم۔ دل کا مطمئن ہونا یعنی ہوا و ہوس سے پاک ہو جانا۔ دوم دم۔ اندریون کا
محسوسات کی طرف نہ کھنچنا۔ سوم اُپرتی۔ تعصب و طرفداری کا دور ہو جانا۔ چہارم تتکشا
سردی گرمی مان اپمان کو صبر سے برداشت کرنا۔ پنجم شردھا۔ شاستر اور کاملین
کے اقوال پر یقین کامل کرنا۔ ششم سمادھان۔ سکھ دُکھ مین طبیعت کا یکسان
رہنا یعنی شانتی۔

(۴) سبق ممکشتو یعنی خواہش نجات۔ جب ہر سہ سبق مذکورہ دل پر
منقوش ہو جاتے ہین اور دل مین شانتی آجاتی ہے تو طالب فانی سے ہٹ کر باقی کی
طرف متوجہ ہوتا ہے تاکہ باقی کو حاصل کرکے فانی سے ہمیشہ کے لیے نجات پاوے۔

تلاش باقی مین تمکو مرشد کامل سے مدد ملیگی۔ مگر جب تک یہ چارون سبق یاد نکر لوگے اُسوقت تک
مرشد کامل کے پانے کی قابلیت تم مین پیدا نہوگی اسواسطے پہلے اِن سبقون کے یاد کرنے مین
دل سے کوشش کرو۔ اِن چار سبقون کے یاد ہو جانیکے بعد تم کو تکلیف سے بہت کچھ رہائی حاصل
ہو جائیگی اور ایسی راحت پاؤ گے جو اس وقت تمھارے قیاس مین بھی نہین آسکتی تکلیف
اور مین تمکو راحت کی تلاش مین وقتاً فوقتاً مدد دیتے رہینگے مگر حصول راحت دوام بلا رہبری
و دستگیری مرشد کامل ناممکن ہے۔ جب یہ چارون سبق خوب یاد کرلوگے تو مرشد کامل نصیب ہوگا